سلطنت

طیبہ ہاشمی

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

WWW.PAKSOCIETY.COM

سرابِ جنوں

طیبہ ہاشمی

سہ پہر کے جاتے سائے دھیرے دھیرے دیواروں پر سکڑ رہے تھے، چھوٹی اینٹوں کے بنے اس دو منزلہ مکان کی دیواریں دوپہر کے وقت یوں تپتی جیسے مکان کے اندر کوئی الاؤ دہک رہا ہو گرم ہوا کے بگولے سے اٹھتے تو جیسے فضاؤں میں انگارے سے بھر جاتے اور وہ یوں چہروں پر گرم لُو کے برساتی مانو صدیوں سے انسان کی بیری ہو، سورج میاں تو پورے جلا دیتے ہوئے وہ اپنی گرم گرم انگاروں بھری آنکھوں سے انسانوں کو یوں دیکھتے گویا ابھی نگل جائیں گے۔

پرندے تک پناہ مانگتے ہوئے سائے کی تلاش میں بھٹکتے رہتے، گرمی ایک تو ہوتی بھی بہت لمبی ہے، سردی کی نسبت اس کا دورانیہ کیوں زیادہ ہوتا ہے یہ ہم انسان کیسے جانیں ہم تو محض کٹ پتلیاں ہیں اس کے ہاتھوں میں وہ جس طرح مرضی نچائے، زینب نے کچے آنگن میں پانی کا چھڑکاؤ کروانے کے بعد پلنگ بچھوا دیئے تھے، بڑی اماں پنکھا ہاتھ میں لئے پہلے ہی اپنے تخت پر آن پہنچی تھیں۔

سہ پہر کے جاتے ہی اک اطمینان بخش اور اس ہر ذی روح کے رگ و پے میں اتر گیا تھا کہ اب اک اچھی اور پرسکون رات ان کو دو گھڑی میٹھی میٹھی نیند سلانے آ رہی ہے۔

بڑی اماں پان دان میں جھانکتے ہوئے

مکمل ناول

WWW.PAKSOCIETY.COM

دوسرے ہاتھ سے خود کو پنکھا جھل رہی تھیں اور اپنی اونچی آواز میں اس آگ برساتی گرمی کو بھی کوس رہی تھیں جس نے جینا محال کر رکھا تھا۔

قریب ہی جامن کے پیڑ پر (جس نے آدھے سے زیادہ آنگن کو اپنے پروں تلے ڈھانپ رکھا تھا) بیٹھے کوئے نے بے سری راگنی الاپنا شروع کی تو وہ چھالیہ کی تلاش میں ناکام دل برداشتہ ہو کر پان دان چھوڑے ادھر کو ہولیں۔

"ایک تو گرمی جان کو آگئی اور اوپر سے، سر پر بیٹھ کر کائیں کائیں کرنے لگا۔" ان کے پھولے ہوئے جھریوں سے اٹے چہرے پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے چمک رہے تھے ایک ہاتھ میں پنکھا اور دوسرے ہاتھ میں سروتا پکڑے وہ خاصی دل برداشتہ لگ رہی تھیں اب چھالیہ نہیں مل رہا تو اس میں کوئے کا کیا قصور، چھالیہ کون سا وہ لے اڑا۔

"اے زینو کی اماں ادھر تو آئیو۔" ان کو یوں اس کا سر پر بیٹھنا سخت ناگوار گزر رہا تھا خود تو وہ اپنے بھاری بھرکم وجود کی وجہ سے بامشکل ہی بیٹھ کر اٹھ سکتی تھیں، اس لئے اپنی بہو کو آواز دی۔

"کنکری مار کر بھگا اسے یہاں سے۔" کوئے کا ابھی قریب قریب اڑنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا مگر وہ زینو کی اماں کے آنے کا سن کر ایک ہی جست لگا کر اڑ گیا، زینو کی اماں کی جوابی آواز نہیں آئی تھی شاید وہ کسی کوٹھری میں تھیں۔

زینب یعنی زینو اس وقت آنگن میں نہیں تھی وہ اس وقت خود سے بڑے بھائی عباس کو جگانے اس کے کمرے میں تھی جس نے اسے وقت مقرر پر جگانے کے لئے کہا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ میرے اٹھنے سے پہلے غسل خانے میں پانی رکھوا دینا میں نہا کر کسی سے ملنے جانا ہے۔

انہیں لاہور آئے پندرہ بیس دن ہو چکے تھے، وہ مستقل لکھنو میں رہتا تھا اپنے ننھیال میں۔

دراصل اس کے بڑے ماموں کی کوئی اولاد نہیں تھی بڑے علاج وغیرہ کروائے مگر خدا کو جب تک منظور نہیں تھا کوئی کچھ نہیں کر سکتا تھا، پھر انہوں نے اپنے سے بڑی بہن یعنی عباس کی والدہ آغائی بیگم سے اس کا دو ڈھائی سال کا بیٹا مانگ لیا اور وہ بھی بھائی کی حالت دیکھ کر رہ نہ سکی اور اپنے دل پر پتھر رکھ کر اس نے عباس کو انہیں دے دیا، نانا، نانی بھی بہت خوش ہوئے کہ چلو بیٹے کے گھر میں رونق آگئی ہے اور پھر کرنا خدا کا عباس کے جاتے ہی خدا نے ان کی بیگم کی سوکھی گود ہری کر دی، سارا ننھیال عباس پر وارے وارے جانے لگا کہ اس کے مبارک قدم کیا اس گھر میں پڑے سوکھے درخت ہرے ہو گئے، ان کی حالت تو مانو ایسی تھی جیسے اجڑے ہوئے گھر میں کسی نے چراغ روشن کر دیا ہو۔

تب سے عباس اس گھر کے مکینوں کی آنکھوں کا تارا تھا، بچپن سے لے کر جوانی تک انہوں نے عباس کو کسی چیز کی کمی محسوس نہ ہونے دی اس کی پڑھائی کی ذمہ داری بھی ان کی تھی، بڑے ماموں گو کہ کم گو تھے اور تھوڑے سخت طبیعت کے تھے مگر عباس پر وہ بھی جان چھڑکتے تھے کہ اسی کی بدولت ایک ننھی سی پری ان کے ویران گھر میں بہار لائی تھی۔

یہ ہندوستان کی تاریخ کا ایسا دور تھا جہاں ایک بہت بڑی شاہی سلطنت اپنے اختتام کو پہنچ رہی تھی، انگریز حکومت جتنی چالاکی سے برصغیر پاک و ہند پر غالب آئی تھی وہ اتنی ہی ذلت سے اپنا بوریا بستر سمیٹ رہی تھی، اس بات کو اگر سوچیں تو ایک ہی بات ذہن میں آتی ہے کہ کوئی جتنے مرضی حق جتائے جس کی چیز ہوتی ہے وہ اسی کی ہوتی ہے، حق جتانے سے کچھ نہیں ہوتا، ہندوستان کا بھی ہندوستانیوں کا تھا اور آج بھی انہی کا ہے، یہ وہ زمانہ تھا 1945ء کا جب وہ یہ بات پوری دنیا پر باور کروا رہے تھے کہ ہندوستان ہمارا ہے۔

جون 1945ء جب ہر طرف مختلف سیاسی تحریکیں اپنے اپنے طریقے سے انگریزوں کو ہندوستان سے باہر نکالنے کے لئے سرگرداں تھیں، جنگ عظیم (دوئم) فیصلہ کن مراحل میں داخل ہو چکی تھی، جرمنی بری طرح شکست کے شکنجے میں تھا اور جاپان تنہا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

☆☆☆

عباس نے اٹھ کر گوالمنڈی جانا تھا، اختر لاہور میں اس کا واحد دوست تھا جو لاہور کی سطح پر چھپنے والے ایک اخبار کا مالک تھا۔

کمرے میں وہ جب بھائی کو جگانے کے لئے آتی تو راکھ دانی میں ادھ جلے سگریٹ دیکھ کر حیران رہ گئی، اتنے سگریٹ، جا بجا کتابیں بکھری پڑی تھیں، انہیں الماری سے نکالنے کے بعد وہ ہمیشہ کی طرح واپس رکھنا بھول گئے تھے۔

کمرے کا دروازہ کھلا ہونے کے باوجود سگریٹ کی مہک سارے میں پھیلی ہوئی تھی، وہ آگے بڑھ کر کھڑکی کھولنے لگی۔

"کھڑکی کیوں بند کر رکھی ہے گویا سرما کی سرد ہوائیں سرسراتی اندر نہ آجائیں۔" وہ خود سے بولی۔

زینب نے یہ بات تھوڑی اونچی آواز میں کہی تھی، وہ اس کی موجودگی کمرے میں محسوس کرتے ہوئے اٹھ گیا تھا، اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھر آئی، وہ بھی جان گئی کہ بھائی اٹھ گئے ہیں۔

"بھائی یہ سگریٹ کی لت کہاں سے لگ گئی ہے آپ کو، تو یہ راکھ دانی یوں سگریٹوں سے بھری پڑی ہے جیسے کوئی دل جلا اپنا غم سگریٹ کے دھوئیں میں گم کر دینا چاہتا ہو۔" زینو نے سر ہلاتے ہوئے ان سے کچھ پوچھنا چاہا تو عباس کی آنکھوں کے آگے اک تصویر سی آن رکی، بلا کی حسین، دلربا سی، کاجل کی باریک سی لکیر آنکھوں میں سجائے اپنے غرارے کو بڑے کرینے سے سنبھالتی، دور سے اسے محبت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"کیسے اتنے دن یہاں رہ لیا ہے میں نے۔" اس نے جیسے خود سے پوچھا، اس کے بغیر تو اس کا ایک ایک پل اتنی مشکل سے گزرتا تھا، وہ تھی ہی اتنی حسین، کسی ٹھنڈے سائے کی طرح مہربان، بات یوں کرتی گویا بات بنی ہی اس کے لئے ہے۔

دل اس کے بارے میں سوچ کر ہی خوش ہو رہا تھا، وہ زینو کے کھڑکی کے پٹ کھولنے پر چونکا۔

"انہیں بند ہی رہنے دو۔" اس نے لیٹے لیٹے دوسری سائیڈ پر کروٹ بدل لی، جانے کس احساس کے تحت، ٹوٹ کر یاد آئی تھی وہ اسے۔

"بھیا تاریکی کیسی بھی ہو اچھی نہیں ہوتی، بعض اوقات کمروں کی گھٹن ذہنوں کو بھی جکڑ لیتی ہے، انہیں اپنا غلام بنا لیتی ہے اور آپ خود کہتے ہیں کہ ذہن کی تنگی غلامی کو جنم دیتی ہے۔" زینو کی فلاسفی سے بھری باتیں سن کر وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا، کھڑکی کھلنے سے کمرہ روشن ہو گیا ہلکی ہلکی گرم ہوا بھی اندر داخل ہوئی تھی۔

"ذہن کی تنگی اور کمرے کی تاریکی میں بہت فرق ہوتا ہے۔" وہ لکھنو کے اس خوش نما ماحول سے فی الحال باہر آگیا۔

"کمرے کو میں اس لئے بند رکھتا ہوں کہ باہر کا شور اندر کے ماحول کو خراب نہ کرے، زمین

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کی تنگی اور بزدلانہ پن بے شک غلامی کو جنم دیتا ہے، مگر الحمدللہ میرا ذہن بہت کھلا اور کشادہ ہے۔"

"پتہ ہے تمہیں ذہن کی بھی آنکھیں ہوتی ہیں اور وہ قومیں جن کے لوگوں کے ذہن جاگتی آنکھوں سوئے رہتے ہیں وہ کبھی بھی آزادی کی صبح نہیں دیکھ پاتیں۔" بھیا کی باتیں سنتی وہ ان کے قریب چلی آئی اور ان کے پاس پلنگ پر بیٹھ گئی۔

"شعور کے پردے پر غلامی جب کسی کانٹے کی طرح چبھنے لگے مانو وہی وقت آزادی کے جاگنے کا ہوتا ہے اور ہماری آزادی بھی جاگنے والی ہے۔" بھیا کی جوش سے بھری باتیں سن کر وہ خاصی محظوظ ہو رہی تھی۔

"بے شک اب ہماری آزادی کی دلہن کو کوئی نہیں روک سکتا۔" وہ عباس کو دیکھ کر سچے دل سے مسکرائی، عباس کو یوں باتیں کرنا اچھا تو لگ رہا تھا مگر اسے جلدی تھی جانے کی اس لئے اس نے غسل خانے کا رخ لیا۔

عباس کو جگانے کے بعد وہ کمرے سے باہر نکل آئی آگے بڑی بھابھی برآمدے میں بیٹھی حمیدہ کی چٹیا میں پراندہ ڈال رہی تھیں جانے کس بات پر منہ پھلا رکھا ہے، زینو نے سوچا۔

آ گیا ہوگا دونوں میاں بیوی میں کہیں اعظم گڑھ کا ذکر، دراصل ظہورن بھابھی اعظم گڑھ (یو۔پی) کی رہنے والی تھیں اور وہ پچھلے دو سالوں سے اپنے میکے نہیں گئی تھیں ان کی ضد یہ تھی کہ بڑے بھیا یعنی ان کے شوہر نامدار ان کے ساتھ لے کر جائیں اور وہ ہر بار اپنی نوکری کا کہہ کر اکیلے جانے کو کہتے، یہی بات تھی جس کی وجہ سے دونوں میاں بیوی میں ٹھنی رہتی۔

وہ برآمدے کی پکی سرخ چھوٹی اینٹوں سے بنی سیڑھیاں اتر کر آنگن میں چلی آئی، زرد دھوپ سے سارا آنگن خالی ہو چکا تھا اور ایک خوشگوار شام دہلیز کے باہر کھڑی مسکراتی اندر آنے کی اجازت مانگ رہی تھی اور بھلا فطرت کو اجازت کی کیا ضرورت، زینو مسکرائی، مہر بشیر (گھر کا ملازم) کیاریوں کے پاس کھڑا پودوں کو پانی دے رہا تھا جو دن بھر کی گرمی سے نیم جاں ہو چکے تھے بڑی اماں تکیے پر سر ٹکائے کروٹ بدلے لیٹی تھیں، پنکھے والا ہاتھ ہولے ہولے حرکت کر رہا تھا منجھلی بھابھی اپنے کمرے میں ہی تھیں دو ماہ پہلے ان کی شادی ہوئی تھی، ابا دکان پر تھے بڑے بھیا کے دونوں بیٹے قریبی مسجد میں گئے تھے۔

"زینو!"

"جی اماں۔" اس نے دادی اماں کے پلنگ کے قریب کھڑے کھڑے پلٹ کر برآمدے کی طرف دیکھا جہاں اماں کھڑی تھیں۔

"عباس جاگ گیا کیا؟"

"جی اماں! جاگ گئے ہیں۔"

"اسے کہیو ابرار میاں سے ملتا آئے، انہوں نے پیغام بھجوایا تھا۔"

"ابھی تو نہانے گئے ہیں آتے ہیں تو کہہ دوں گی۔" اماں اس کی بات سن کر دوبارہ کمرے میں چلی گئیں۔

☆☆☆

اختر کے پاس بیٹھے بھی اس کا دل کہیں اور ہی بھٹک رہا تھا، دل کی وادی اداسیوں کی زد میں تھی اس کے بغیر بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"میں اور یہاں نہیں رہ سکتا۔" اس نے وہاں بیٹھے بیٹھے ہی فیصلہ کر لیا، میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔

"کیا بات ہے بڑے چپ چاپ بیٹھے ہو۔" اس نے اسے کندھے سے پکڑ کر ہلایا، کافی

لوگ وہاں جمع تھے لیکن ان لوگوں کی گفتگو کا موضوع ایک ہی تھا ہندوستان میں آئندہ کیا ہوگا، وہ سب کی باتیں صرف سن رہا تھا جواب کسی کا بھی نہیں دے رہا تھا اسے جواب دینا اچھا ہی نہیں لگ رہا تھا۔

"لگتا ہے جناب کو کسی کی یاد ستا رہی ہے۔"

وہ اس کے قریب ہی بنچ پر بیٹھ گیا، اختر سے وہ اپنے دل کی ساری باتیں کرتا تھا، اس سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں تھا، گھر سے نکلتے وقت اس نے زینو سے کہا تھا کہ وہ کسی ضروری کام سے باہر جا رہا ہے اور ضروری کام یہی، وہ لاہور میں صرف اختر سے اپنے دل کی بات کہہ لیتا تھا آج بھی اس کا دل چاہ رہا تھا کہ کوئی اس کے ساتھ اس کی باتیں کرے۔

"ٹھیک کہہ رہے ہو یار! ایسی ہی بات ہے۔" شام کے سانولے سائے رات میں ڈھلنے جا رہے تھے۔

"عباس دل بڑی اونچی جگہ لگا بیٹھے ہو، تو اب رجب علی خاں کی اکلوتی بیٹی، جس کے لئے نوابوں کی کمی نہیں، ایسے میں تم کہاں فٹ ہوتے ہو۔" اختر کی منصفانہ بات پر ایک پل کے لئے وہ بھی دہل گیا۔

"لیکن چلو چھوڑو وہی بات کہ محبت یہ سب کہاں دیکھتی ہے، وہ تمہیں چاہتی ہے اور ہو سکتا ہے اس کی محبت میں اتنا دم ہو کر سارے مسئلے حل ہو جائیں۔"

اختر نے پہلے خود ہی اسے دہلا دیا اور پھر بعد میں اس کے چہرے کا اڑتا ہوا رنگ دیکھ کر تصویر کا دوسرا رخ بھی دکھا دیا۔

وہ شروع سے بہت ہی شرمیلا تھا بہت جلد کسی سے فری نہیں ہوتا تھا یہ تو بس اس نواب زادی کی بے پناہ محبت نے اسے آگے بڑھنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"پتہ نہیں مسئلے حل ہوتے ہیں یا مزید بڑھتے ہیں اب تو جو ہوگا دیکھا جائے گا۔"

"چلو اچھی بات ہے ویسے بھی وہ کہتے ہیں ناں کہ پانی میں کود کر ہی اس کی گہرائی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، اب ڈوبیں یا پار لگیں، قسمت پر چھوڑ دو۔" اختر نے اس کے اندر سر اٹھاتے ڈر کو زائل کرنے کی کوشش کی۔

"واپس کب جا رہے ہو۔"

"اماں سے بات کروں گا۔" واپسی پر اماں کے کہنے پر بھی وہ ابرار میاں کے ہاں نہیں گیا تھا اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔

☆☆☆

تپتی دوپہر کے بعد آتی ٹھنڈی حسین شام کے خوش نما احساس کو اپنے کاسنی آنچل میں سمیٹے وہ حویلی کے پچھواڑے چلی آئی جہاں نواب رجب علی نے اس کی پسند کا خاص خیال رکھا ہوا تھا، ہری گھاس کو ہلکا ہلکا پانی دے کر نم کر دیا گیا تھا جو کے دن بھر کی گرمی سے جھلسا گئی تھی شام کے وقت ٹھنڈی ہری گھاس کے ساتھ وہاں نصب شہری فوارہ عجب بہار دکھاتا اور فوارے کے اندر نصب مورتی جو لال رنگ کی ساڑھی کو سلیقے سے اپنے گرد لپیٹے نیچے کو جھکی آئے والوں کی پیاس بجھاتی بڑی بھلی لگتی۔

سورج کی سنہری کرنیں زمین کے گرم سینے پر اپنا آخری سلام نذر کرتی آسمان کے بیضوی ماتھے میں جذب ہو رہی تھی اور وہ انہیں آتی رات (ٹھنڈی) کے حسین سپنے دکھاتا خواب کی وادیوں میں خراماں خراماں لئے جا رہا تھا اور وہ اس کی محبت میں گرفتار آنے والے وقت کے فریب سے خوف زدہ ہوئے بغیر اس کے ہمراہ ہو لی تھیں۔

"محبت کا فریب۔" اس کا دل یکدم بڑی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

تیزی سے دھڑکا۔

"محبت اگر فریب ہے تو، کیا پاس، نہیں، نہیں۔" اس نے خود کو سمجھایا، مگر سمجھ کر بھی دل سمجھ نہ پایا، ایک تو وہ ویسے بھی اس سے دور تھا۔

"اب اور کتنے دن لگیں گے، ہمیں رونا آ رہا ہے عباس، واپس آ جائیں۔" اس کی آنکھیں حقیقت میں نم ہو گئیں۔

"نہیں رہ سکتے ہم آپ کے بغیر، کہے دیتے ہیں ہم۔" اس نے جیسے اس کے خیال کو ہی بڑے دلار سے پکارا، دو آنسو لڑھک کر اس کے گالوں سے نیچے گرے، دور سے بوا کے کھانسنے کی آواز آئی تو اس نے جلدی سے گال رگڑ ڈالے۔

"بوا تو پوچھ پوچھ کر میری جان کو آ جائیں گی۔" اس نے خود سے کہا، بعد میں اپنے رونے پر اسے خود ہی ہنسی آ گئی۔

"ہم بھی کتنے پاگل ہیں، عباس ٹھیک ہی کہتے ہیں، چھوٹی چھوٹی باتوں کو وہم بنا کر سر پر سوار کر لیتے ہیں ہم، وہ صرف ہمارے ہیں، اپنے دل کو پوری طرح تسلی دیتے ہوئے وہ کرسی پر ٹھیک طرح بیٹھ گئی اور سر کو پشت سے ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔

"ارے سلطنت بیٹا کیا سر میں درد ہے، ہے تو لائیں دیا دیں ہم۔" بوا نے گھبراتے ہوئے اس کے ماتھے کو چھوا۔

"ارے نہیں بوا، درد نہیں ہے بس ایسے ہی آنکھیں بند کی تھیں۔"

"ہم تو ڈر ہی گئے، بڑے نواب صاحب کو پتہ چل جاتا تو میری تو شامت آ جاتی کہ بیٹا کہ سر میں درد تھا کسی نے خبر ہی نہ لی۔" وہ ان کے انداز پر ہولے سے مسکرا اٹھی۔

"آپ بس ہمیں چائے پلا دیجئے اور کچھ نہیں۔"

"ابھی آ جاتی ہے چائے ہماری بٹیا کے لئے۔" وہ جلدی سے گئیں اور تھوڑی دیر بعد چائے کی ٹرالی گھسیٹتی اس کے قریب چلی آئیں۔

"کتنا خیال کرتی ہیں ہمارا۔" اس نے بڑی محبت سے انہیں دیکھا، اس کی ماں نہیں تھی مگر اس کی دادی اماں اور بوا نے کبھی ان کی کمی محسوس نہیں ہونے دی تھی وہ بہت چھوٹی تھی جب اس کی والدہ اس فانی دنیا سے چلیں گئیں، نواب صاحب دن رات اپنی سیاست میں مصروف رہتے تھے ایک بھائی تھا وہ شادی کر کے انگلستان میں ہی بس گیا تھا، کبھی کبھی وہ بہت اداس ہو جاتی، کتنے عزیز رشتے ہیں بھائی، باپ مگر محبت اور شفقت کسی سے بھی نہیں مل رہی، ساری حویلی میں وہ کسی سائے کی طرح تنہا پھرا کرتی۔

بڑے نواب کی سخت طبیعت کی وجہ سے یونیورسٹی کی سہیلیاں بس وہیں تک ہی تھیں صرف خورشید جہاں تھی تھی جو اس کے گھر آ جاتی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کے ابا بھی سیاست سے وابستہ تھے اور بڑے نواب کی ان کے ساتھ خوب بنتی تھی۔

ایک عباس ہی تھا جو اس کی زندگی کو تازہ گلاب کی صورت مہکا گیا تھا اور اسے دیکھ کر اسے پہلی دفعہ لگا تھا کہ زندگی کتنی خوبصورت ہے۔

عباس، اس ٹھنڈے پتلے میں اس نے جس طرح آگ بھری تھی یہ وہی جانتی تھی، اتنا شرمیلا اور باحیا مرد اس نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا تھا اور اس کی یہی بات وجہ محبت بن گئی تھی اور پھر ابا حضور کے سارے خوف بالائے طاق رکھے اس وادی میں اتر آئی جہاں اگر پھول ہیں تو ببول کے کانٹے بھی۔

"لو بیٹا چائے پیو۔" بوا نے چائے کا کپ اس کے آگے کیا۔

حویلی کے پچھواڑے رات کی رانی کی مہک فضاؤں کو معطر کر رہی تھی، کیاریوں میں جا بجا پھولوں کی گردنیں اکڑی کھڑی تھیں، بس کبھی کبھی وہ ہوا کے زور کے آگے جھک جاتے مگر دوسرے ہی پل وہی اکڑ مزاج کا حصہ بن جاتی، گو کے ہوا میں ٹھنڈک نہیں تھی مگر وہ پھر بھی اچھی لگ رہی تھی، بوا بڑے سلیقے سے اسے چائے کے ساتھ دوسرے لوازمات پیش کر رہی تھیں، نوابوں کی پرانی خدمت گزار تھیں سارے رکھ رکھاؤ جانتی تھیں اس لئے تو ابھی تک اس حویلی میں اہم کردار ادا کر رہی تھیں، دادی حضور تو اب بس مشکل سے ہی چل پھر لیتی تھیں، نواب صاحب کی سیاسی سرگرمیاں اور بڑے نواب کے چھوٹے بھائی یعنی چچا حضور ویسے ہی ہر چیز سے بے نیاز تھے وہی تھیں جو سلطنت کا ہر طرح کا خیال رکھتی تھیں اور اس چیز کا علم نواب صاحب کو بخوبی تھا اس لئے وہ ان کی بہت عزت کرتے تھے اور انہی کی موجودگی کی وجہ سے پورا پورا ہفتہ گھر سے باہر گزار لیتے تھے بے فکرے ہو کر، گھر میں نوکروں چاکروں کی ایک فوج موجود تھی مگر بوا ہر ایک الگ ہی بھروسہ کیا جاتا تھا، کس کو کیا کیا چاہیے وہ سب جانتی تھیں، سلطنت سے پہلے وہ دادی حضور اور چھوٹے نواب صاحب کے کمروں میں انہیں چائے دے کر آئی تھیں۔

"ایک بات تو بتائیں بوا۔" چائے کا کپ ہاتھ میں پکڑے وہ اس کی چسکی لینے کے بعد بولی۔

"اے لو بٹیا، ایک کیا ہزار پوچھو۔" وہ اس کو چائے دینے کے بعد خود گھاس پر بیٹھ چکی تھی۔

"ہماری امی حضور کیا بہت حسین تھیں۔" سلطنت کے چہرے پر ماں کے ذکر پر عجیب دھوپ چھاؤں سی کیفیت اتر آئی آنکھوں میں کئی سوال نیلی پیلی روشنیوں کا سا عکس لئے چائے کے کپ میں قوس وقزح بنانے لگے۔

ماں کا رشتہ دنیا کے تمام رشتوں سے ارفع ہوتا ہے اس کا اکیلا پن اس رشتے کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔

"حسین لفظ تو بہت چھوٹا ہے بیٹا اور ویسے بھی اس بات کا ثبوت ہے آپ کے ابا حضور کا اکیلا پن، پچھلے اٹھارہ سال سے آپ کی امی حضور کی جدائی برداشت کرتے آ رہے ہیں مگر کسی دوسری عورت کی ہمراہی انہیں منظور نہیں، بہت دفعہ آپ کی دادی حضور نے شادی کا کہا مگر ان کا ایک ہی جواب رہا۔"

"اختری کے بعد اس کسی اور عورت کی گنجائش نہیں زندگی میں۔"

"کچھ اور بتائیں ناں بوا ان کے بارے میں۔" سلطنت کا شوق بڑھا۔

"آپ تو بہت کچھ جانتی ہیں حویلی کے بارے میں۔" بوا کی آنکھیں جانے کیا سوچ کر نم ہو گئیں تھیں ساٹھ کے قریب ان کی عمر ہونے کو آئی تھی، چہرے پہ گزرتا وقت اپنے نشان چھوڑیں جا رہا تھا انہی نشانیوں کے بیچ دفن تھیں اس حویلی کی کئی کہانیاں، مختلف کردار تھے مختلف آوازیں تھیں جنہیں سلطنت نے ان کے توسط سے آواز دینا چاہی تھی، بوا کا دل ایک ایسا مدفن تھا جہاں بہت کچھ دفن تھا لیکن انہوں نے اس حویلی کا نمک کھایا تھا وہ کیسے کسی ایسے راز کو افشاں کر سکتیں تھیں جس سے اس حویلی کی عزت پر حرف آتا۔

"آپ ہو بہو اپنی امی حضور کی شکل رکھتیں ہیں، بہت حسین تھیں کم گو، لیکن انہیں اپنی حیثیت کا مان بہت تھا اور ہوتا بھی کیوں ناں آخر کو وہ نواب سلطان جہان کی اکلوتی صاحبزادی تھیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

جن کا پورے میرٹھ میں طوطی بولتا تھا، آپ کے نانا حضور کو دیکھ کر ہی سامنے والے بندے پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا اتنی جلالی طبیعت تھی ان کی، شان و شوکت کی مرقع تھی وہ حویلی اور اس حویلی پر راج کرتی تھیں آپ کی نانی حضور۔" بات کرتے کرتے بوا خاموش ہو گئیں تو وہ اشتیاق سے سن رہی تھی ان کی خاموشی پر بگڑ گئی۔

"چپ کیوں ہو گئیں اور کچھ بتائیں ناں۔"

"اور کچھ بٹیا ہے ہی نہیں بتانے لائق۔" اسے لگا جیسے وہ اس سے نظریں چراتے ہوئے کچھ چھپا رہی ہیں۔

"بتائیں ناں۔"

"کچھ بھی نہیں بٹیا، اچھا اب میں چلوں، بہت سے کام پڑے ہیں۔" وہ ٹرالی میں سارا سامان رکھتیں اسے گھسٹتی اندر چلی گئیں، سلطنت ان کے اس رویے پر حیران سی تھی، کچھ تو تھا جسے وہ چھپا گئی تھیں۔

☆☆☆

شام کے سائے سارے میں پھیل چکے تھے، بچی کھچی دھوپ بھی آسمان کے سینے میں جذب ہو چکی تھی، اپنے کمرے میں وہ چپ چاپ اوندھے منہ لیٹا ہوا تھا جب اماں کمرے میں آئیں، طبیعت میں بوجھل پن نمایاں ہو رہا تھا۔

"کیا بات ہے طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری۔" وہ بڑی فکرمندی سے پلنگ کے پاس آ گئیں، ماں تھیں بیٹے کو یوں اداس اور چپ چاپ دیکھ کر رہا نہ گیا۔

"جی اماں میں ٹھیک ہوں، بس ایسے ہی لیٹا تھا۔" وہ ان کے آنے پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"باہر نکل کر بیٹھو، کمرے میں گرمی ہے۔" وہ ہاتھ والا پنکھا ساتھ لائی تھی اسے ہوا دینے لگیں۔

"رہنے دیں دل نہیں چاہ رہا۔" انہیں اس کی بیزاری کی سمجھ نہ آئی۔

"کیا بات ہے مجھے بھی تو بتاؤ ماں ہوں تمہاری، میرا بیٹا یوں چپ چاپ اور بیزار سا بیٹھے مجھے اچھا نہیں لگ رہا۔" وہ اس کے ماتھے پر آئے بال بڑی محبت سے پیچھے کرنے لگیں تو وہ ان کے گلے سے لگ گیا، ماں سے اسے بے پناہ محبت تھی۔

"کیا بات ہے کچھ بولو گے نہیں۔" انہوں نے مزید اسے خود کے ساتھ لگا لیا۔

"ایوں، اماں لکھنو میں ہوتا ہوں تو آپ کی خراب طبیعت کا سوچ سوچ کر پریشان رہتا ہوں۔" وہ ان سے الگ ہوتے ہوئے بولا۔

"تو چھوڑ آؤ لکھنو کو۔" اماں نے یہ بات دل سے نہیں کہی تھی مگر اسے سمجھ نہیں آئی تھی۔

"کہہ دوں تمہاری ماموں کو سامان بھجوا دیں تمہارا، بولو کیا جواب دیتے ہو۔" وہ جیسے اس سے کچھ سننا چاہ رہی تھیں، لیکن وہ ان کی باتوں کی گہرائی سے بے خبر تھا۔

"اب تو نہیں چھوٹنے کا لکھنو۔" وہ اماں سے نظریں چراتے ہوئے مسکرا کر نظریں جھکا گیا۔

"کیوں ایسا کیا ہے لکھنو میں، جو آنا اتنا مشکل لگ رہا ہے۔" اماں نے جیسے کریدا، جانے وہ کیا پوچھنا چاہ رہی تھیں جو وہ سمجھ نہیں رہا تھا۔

"وقت آیا تو بتا دوں گا۔"

"کیا بات ہے ماں بیٹے میں بڑے راز و نیاز چل رہے ہیں۔" زینو کے آنے پر ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

زینو اماں کے لئے ابا کا پیغام لائی تھی جسے سن کر وہ باہر چلی گئی تھیں۔

"کیا کہہ دیا اماں کو وہ بڑی خوش ہیں، کہیں بڑے ماموں کا ذکر تو نہیں چھیڑ دیا گیا تھا۔"

"کیا مطلب۔" زینو کی بات پر اسے کچھ کھٹکا۔

"بڑے ماموں سے کیا مطلب ہے تمہارا؟" وہ پوچھتا ہوا اٹھ کر کھڑا ہو گا۔

"اماں نے کوئی بات نہیں کی آپ سے؟"

"نہیں تو۔" اسے تشویش ہوئی۔

"اماں نے کونسی بات کرنا تھی تم جانتی ہو کیا۔" زینو اس کی لاعلمی پر جیسے خاموش ہو گئی۔

"نہیں بھیا میں نے ایسے ہی پوچھ لیا تھا، بات تو کوئی نہیں ہے۔" وہ جلدی سے اٹھ کر باہر نکل گئی جیسے وہ کچھ اور نہ پوچھ لے، عباس کو جیسے حیرت نے گھیر لیا۔

☆☆☆

ڈھیر سارے سفید موتیے کے پھول لیے وہ حویلی کے پچھواڑے حوض کے پاس بیٹھی حسنی کے ساتھ گجرے بنا رہی تھی۔

بڑے نواب صاحب اور چھوٹے نواب صاحب کے ساتھ دادی حضور باہر کرسیوں پر براجمان تھیں دونوں بیٹے گھر تھے اس لئے آج وہ بہت خوش تھیں۔

اس نے دو تین گجرے بنا لئے تو اٹھ کر ان کے قریب چلی آئی جہاں پانی کے مٹکے گھڑونچیوں پر عارضی طور پر رکھوائے ہوئے تھے صاف ستھرے، ٹھنڈے سرخ مٹکے بہت بھلے لگ رہے تھے اس نے دونوں مٹکوں کے اوپر ہار ڈال دیئے جن میں گلاب اور بیلا بھی کہیں کہیں اٹکا ہوا تھا، باقی ہار اس نے گھڑونچی پر سجا دیے، دادی حضور دل ہی دل میں اس کے سلیقے پر خوش ہوئی تھیں۔

"آؤ یہاں آؤ۔" انہوں نے پیار سے اسے اپنے پاس بلایا۔

"پھول بہت پسند ہیں ہماری بیٹی کو۔" انہوں نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"جی!" وہ دونوں نوابوں کی موجودگی میں حرف "جی" ہی کہہ سکی، اپنے ابا حضور سے اس کی اتنی بے تکلفی نہیں تھی اس لئے وہ ان سے ڈر کر بات کرتی تھی اور کچھ ان کا اپنا انداز بھی ایسا ہی تھا، لئے دیئے والا برتاؤ، بڑے نواب بھی اس کی طرف دیکھ کر مسکرائے تھے بولے کچھ نہیں تھے، وہ اٹھ کر دوبارہ حسنی کے پاس چلی گئی جو بوا کے ساتھ باورچی خانے میں جانے کے لئے تیار کھڑی تھی دراصل آج بڑے نواب کے کچھ مہمان کھانے پہ تشریف لا رہے تھے جو کافی عرصے سے لندن میں مقیم تھے، اپنے اہل خانہ کے ساتھ۔

عباس کا بھی خط آیا تھا کہ وہ دو تین دن تک لکھنو آ رہا ہے دل تو خوشی سے جھوم رہا تھا جب سے سنا تھا ایک ایک پل کتنی مشکل سے گزر رہا تھا، تو یہ کتنے بے درد لمحے میں جو جلد کٹنے کا نام نہیں لے رہے، ہماری تو سانسیں رکتی جا رہی ہیں۔

سارے کام وہ خوشی خوشی کیے جا رہی تھی، شام کو کھانے کی میز کو اس نے حسنی کے ساتھ مل کر دنیا کی تمام نعمتوں کے ساتھ سجا دیا تھا۔

سارے مہمان اسے بڑے تپاک سے ملے تھے وہ آج کافی دنوں کے بعد بڑے کرینے سے تیار ہوئی تھی اور جس کے لئے تیار ہوئی تھی وہ اس سے کوسوں دور تھا۔

"لگتا ہے آپ سبزی خور ہیں، آپ کی جلد بہت خوبصورت اور چمکدار ہے۔" بیلا ان کی جوان سال بیٹی سلطنت کو بڑے رشک سے دیکھ رہی تھی۔

"کھاتی ہوں مگر ایسی کوئی روٹین نہیں ہے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

سبزی کی، ویسے میں کھانے کی اتنی شوقین نہیں ہوں۔" کھانے کے بعد وہ اسے باہر ہی لے آئی تھی، رات ہو چکی تھی، ہوا معمول کے مطابق ہی تھی۔

"فلموں کا شوق رکھتی ہیں آپ؟" وہ تو جیسے انٹرویو لے رہی تھی، اس کے سوالوں پر اسے ہنسی آ رہی تھی، رات کو واپس جاتے ہوئے وہ اسے بڑی محبت سے ملی تھی۔

"دوبارہ جلد ملیں گے۔" اس کے ساتھ ساتھ اس کے گھر والے بھی بہت خوش خوش تھے۔

ان کے جانے کے بعد وہ حسنی کو لے کر چھت پر چلی آئی، حسنی ان کے بہت پرانے ملازم غلام علی کی بیٹی تھی اس کی ہم عمر ہی تھی وہ اس لئے سلطنت اس کے ساتھ بات وات کر لیا کرتی تھی، لیکن عباس کا ذکر اس نے بھولے سے بھی اس کے ساتھ نہیں کیا تھا اگر دونوں نوابوں کو بھنک بھی لگ گئی تو قیامت آ جائے گی، لیکن وہ اس قیامت کو کہاں تک روک سکتی تھی ایک نہ ایک دن تو سب کو خبر ہو ہی جائے گی، وہ چھت پر بچھے تخت پر بڑے مایوسی بھرے انداز میں بیٹھ گئی ہاتھوں میں پہنے تازہ پھولوں کے گجرے اب باسی ہو چلے تھے۔

"تھک گئی ہیں تو سر دبا دوں۔" حسنی نے دل جوئی کرنا چاہی۔

"نہیں رہنے دو، یہ گجرے لو۔" اس نے وہ گجرے لے کر ایک طرف رکھ دیئے۔

ایک نہ ایک دن یہ حقیقت کھلے گی، اپنی حیثیت سے کم مرتبہ آدمی کو یہ لوگ کیسے قبول کریں گے، وہ جس کا نوابی سے دور دور کا رشتہ بھی نہیں، "تو کیا نواب کے لئے ایک نواب ہی ہو سکتا ہے۔" اس نے جل کر سوچا، حسنی اس کے چہرے کا اتار چڑھاؤ کو دیکھ رہی تھی مگر اس کی سوچوں میں خلل نہیں ڈال سکتی تھی۔

آج جتنی خوشی تھی وہ یہ سب باتیں سوچ کر اتنا ہی اداس ہو گئی تھی اندیشے سے تھے جو ہر طرف سے سر جوڑے چلے آ رہے تھے۔

عباس کی وہ جھکی جھکی باحیا آنکھیں، جو اس کی طرف اٹھیں تو اس کی ہستی کو انہوں نے اپنے اندر سمو لیا، کیسے وہ ان سے دور رہ سکتی ہے۔

"نہیں کبھی نہیں۔" سوچ کر ہی اسے جھرجھری سی آ گئی۔

☆☆☆

"ہم نے کہہ دیا عباس کے ساتھ نہ جائیں گے اعظم گڑھ، حسن جائیں گے تو جاؤں گی۔" ظہورن بھابھی اپنے مطالبے پر جمی بیٹھی تھیں۔

"ہم ان کے لئے بہانہ جائیں گے آخر کو ہماری بھی عزت کا سوال ہے۔" اماں بھولے سے کہہ بیٹھی تھیں کہ عباس لکھنو جا رہا ہے تمہیں بھی اعظم گڑھ چھوڑ آئے گا مگر وہ تو اتنا سن کر بھڑک اٹھیں۔

"ان کے سسرال اتنے بھی گے گزرے نہیں جو یہ وہاں قدم بھی نہیں رکھتے ہمارے ابا بھی نواب اعظم گڑھ کے باورچی ہیں، ہم کون سا کسی سے کم ہیں۔" ظہورن بھابھی کی بات سن کر زینو کی ہنسی چھوٹتے چھوٹتے رہ گئی۔

"ابا باورچی ہیں اسی لئے بیٹی کے ہاتھ میں بڑا ذائقہ ہے۔" زینو نے عباس نے کان میں سرگوشی کی تو اس کی طنز پر عباس نے گھور کر اسے دیکھا۔

"ایسے نہیں کہتے۔"

"میری بلا سے جس کے ساتھ مرضی جاؤ، میں نے تو تمہارے بھلے کو ہی کیا تھا۔" اماں اس بات کو زیادہ بڑھانا نہیں چاہتی تھیں اس لئے اٹھ کر اندر چلی گئیں، بڑے بھیا حسن ابھی دفتر سے لوٹے نہیں تھے۔

"یہ اچھا ہے جو بات نہ ماننا ہو، اٹھ کر چل دیجئے۔" بھابھی اماں کے یوں اٹھ کر جانے پر تلملا اٹھیں، حمیدہ ان کی گود میں بیٹھی تھی۔

"بیٹے کو زور نہیں دے سکتیں آپ، دیکھتی ہوں کیسے نہیں مانتا آپ کی بات۔" اماں کمرے میں جا چکی تھیں ان کی باتیں سن کر بھی وہ واپس باہر نہ آئیں، اپنے بیٹے کی عادت کو وہ اچھی طرح جانتی تھیں، اپنے علاوہ وہ کسی کی نہیں سنتا تھا، عباس بھی ان کی عادت جانتا تھا بھیا نے جو کہہ دیا بس کہہ دیا۔

اب وہ کیا کر سکتا تھا یہ بھیا اور بھابھی کا ذاتی معاملہ تھا، وہ لے جانا چاہتی ہیں وہ جانا نہیں چاہتے، دونوں اپنے محاذوں پر ڈٹے تھے کوئی تیسرا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

☆☆☆

اماں کی ہدایت کے مطابق وہ لکھنو پہنچ کر گھر جانے کی بجائے سیدھا ناہید آپا کے پاس (اس کی بڑی بہن) فیض آباد گیا تھا۔

فیض آباد لکھنو سے کوئی پچیس تیس کوئی دور ایک پرانا اور خوبصورت شہر ہے جیسے کسی زمانے میں بنگلہ بھی کہا جاتا تھا۔

یوں تو لکھنو ملت اسلامیہ کا ایک انوکھا اور بے مثال شہر ہے یہاں کی وضع داری پوری دنیا میں مشہور ہے، بڑے بڑے نوابوں نے اس سر زمین پر جنم لیا، جیسے امام باڑوں کی سرزمین بھی کہا جاتا ہے اور اس کی ایک بہت بڑی پہچان۔

انیس دم کا بھروسہ نہیں ٹھہر جا چراغ لے کے کہاں سامنے ہوا کے چلے

میر انیس، جس نے مرثیے کو بام عروج پر پہنچا دیا۔

ناہید آپا قدیم محلے میں رہتی تھیں جہاں کسی زمانے میں میر انیس کی قیام گاہ تھی، آپا کو لاہور گئے ہوئے کافی عرصہ ہو چلا تھا اماں بہت اداس ہو رہی تھیں، انہوں نے کچھ سامان بھجوایا تھا ان کے لئے جو وہ گھر جانے سے پہلے انہیں دینا چاہتا تھا، حیدر بھائی اس وقت گھر موجود نہیں تھے۔

آپا بچ میں بہت اداس ہو گئیں تھیں مگر اس کے پاس زیادہ وقت نہیں تھا اس لئے وہ پھر جلد آنے کا کہتے ہوئے واپس ہو لیا۔

جب وہ گھر آیا تب ہلکا ہلکا اندھیرا پھیل رہا تھا گرمی کے مارے برا حال تھا، یہ قدیم لکھنو کا ایک پرانا محلہ تھا جو امام بارہ حسین آباد کے پاس تھا، پرانی وضع کے علمبردار اس گھر کے ایک ایک کونے میں اپنائیت چھلکتی تھی، چاروں طرف کمرے اور ان کے وسط میں بڑا سا کھلا ٹھنڈا آنگن اور اسی آنگن کے ایک کونے میں بڑا سا درخت جہاں سویرے سویرے چڑیاں چہچہاتی تو زندگی کے ہونے کا احساس چار سو پھیل جاتا۔

اس کا اپنا کمرہ چھت پر تھا، کمرے کے آگے چھوٹا سا برآمدہ، بڑی سی چھت کے ایک کونے میں کمرہ واقعہ ہونے کی وجہ سے ہر وقت سکون رہتا، ویسے گھر میں تھا بھی کون، دونوں ماموں سارا دن گھر سے باہر، بڑے ماموں کی ایک ہی بیٹی (اکبری) اور چھوٹے ماموں کے دو لڑکے، دونوں آدھا دن سکول اور پھر تھوڑی سی بچی چیزوں کے ساتھ خوش آمدید کہتا اس کا کمرہ، کتنا سکون ملا تھا اسے، ایک جگہ کی عادت بن جاتے تو کہیں دور چین نہیں آتا اور اسے تو ویسے بھی چین لکھنو آ کر ہی ملتا تھا وہ سوچ کر ہی مسکرا دیا۔

"کہیں غلط فہمیاں تو جنم نہیں لے رہی۔" وہ سوچ کر افسوس میں سر ہلانے لگا۔

اس وقت وہ سلطنت کے علاوہ کچھ بھی سوچنا نہیں چاہ رہا تھا اس لئے ساری سوچوں کو

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

جھٹکا کپڑے تبدیل کر کے کھانا کھانے لگا۔

☆☆☆

خوشی سے من جھوم رہا تھا وہ موتیے کے گجرے ہاتھوں میں پہنے بالوں کی لمبی سی چٹیا میں چمپا اڑسے ہلکے گلابی رنگ کا انگرکھا پہنے بے حد حسین اور دلکش لگ رہی تھی۔

"آج وہ بھی ان فضاؤں میں سانس لے رہا ہے جن میں، میں کھڑی ہوں۔" محبت کا یہ پاگل پن کتنا خوش کن لگ رہا تھا، محبت ہوش اڑاتی، نیند چراتی۔

اپنے کمرے کے قد آور آئینے کے سامنے وہ پچھلے کئی گھنٹوں سے کھڑی تھی اور خود کو بار بار عباس کی نظروں سے جانچ رہی تھی، "حسن کو تو سجنے سنورنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔" ایک دفعہ عباس نے اسے کہا تھا لیکن جانے کیوں آج اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ عباس کے حواسوں پر چھا جانے کی حد تک حسین لگے وہ اس سے ایک ٹکٹکی کے لئے بھی نظریں نہ ہٹا سکے۔

پورے پچیس دن بعد اس نے مجھے دیکھنا ہے، دیوانہ دل اس وقت یہ سوچنے سے قاصر تھا کہ محبت کرنے والے چہروں سے زیادہ روح کے قریب ہوتے ہیں، چہرے تو فریب دیتے ہیں، فنا ہو جاتے ہیں مگر روح ایک ابدی رشتہ ہے، کبھی نہ ٹوٹنے والا۔

بوا اسے اتنا بنتے سنورتے دیکھ کر قریب چلی آئیں۔

"کہاں کی تیاری ہے ہماری بٹیا کی۔" وہ اپنے ہاتھوں میں پہنے ہوئے گجروں کو سونگھ رہی تھی۔

"خورشید جہاں کے ہاں، قمر سے کہہ دیں گاڑی نکال لے، جلد نکلنا ہے ہمیں۔" بات کرتے ہوئے اس نے بوا کے ساتھ زیادہ نظریں نہیں ملائی تھیں مبادا کوئی اور سوال نہ داغ دیں وہ بھی اس کے جلد نکلنے پر مزید کوئی اور سوال کیے بغیر واپس مڑ گئیں وادی حضور اپنے کمرے میں استراحت فرما رہی تھیں وہ ان کو بتانے کی غرض سے کمرے میں گئی اور پھر انہیں خورشید کا بتانے کے بعد کمرے سے باہر نکل آئی۔

☆☆☆

"تم بغیر اطلاع کے؟" خورشید اپنی امی حضور کے ساتھ برآمدے میں تخت پر بیٹھی پھل کاٹ رہی تھی۔

"کیوں بھئی اپنے آنے کا میں پہلے اخبار میں اشتہار دیا کروں۔" سلطنت نے فرط شوق سے اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا اور اس کے کان میں کچھ کہا۔

"اندر آ جاؤ۔" اس نے آنکھ سے اماں کی طرف اشارہ کیا وہ انہیں آداب و تسلیم کرتی اندر آ گئی۔

"عباس کب آئے؟" وہ دونوں پلنگ پر بیٹھ گئیں۔

"کل ہی آئے ہیں۔" اس کے گال محبت کی الوہی روشنی سے لال ہوئے جا رہے تھے۔

"بہت پیاری لگ رہی ہو۔" خورشید نے اس کا ہاتھ چوم لیا۔

"آج ہم بہت خوش ہیں۔" آنکھوں میں ستارے سجے کوندے، خورشید کو اس پیاری سی لڑکی کی اتنی وارفتگی پر ڈھیروں پیار آ گیا۔

"ہمیشہ یونہی خوش رہو اور وہ تمہارا جھکی جھکی آنکھوں والا، قسم سے میں کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ تم واقعی میں بہت خوش قسمت ہو کہ عباس جیسا مرد تمہاری زندگی میں ہے جس کے بارے میں سوچ کر ہی لڑکیاں پاگل ہو جاتی ہیں، ویسے تو تم خود بھی قیامت ہو اور قیامت کا توڑ قیامت ہی

ہو سکتی ہے؟" خورشید کی باتوں پر اس نے دل ہی دل میں عباس کی نظر اتاری۔

"اچھا شام تک گھر سے گاڑی آئے گی تب تک میں بھی آ جاؤں گی۔" اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اڑ کر قیصر باغ کی بارہ دری پہنچ جائے۔

بے قرار نظریں ہر طرف اسے ہی تلاش کر رہی تھیں اور پھر وہ اسے خود سے تھوڑے فاصلے پر ایک بنچ پر بیٹھا نظر آیا وہ بھی اسے آتا دیکھ رہا تھا دو بے قرار دل اک ٹکٹکی کے لئے ایک دوسرے کو دیکھ کر دھڑکنا بھول گئے تھے، گرمی کا زور یکدم ٹوٹ گیا انہیں لگا جیسے تیز ہوائیں انہیں اڑائیں اک دوسرے کے قریب لا رہی ہیں، اک الوژن کی کیفیت میں تھے وہ دونوں، یہ چند قدم انہوں نے کیسے اٹھائے کیسے وہ چل کر پاس آئے انہیں خبر نہیں تھی سب اپنے آپ ہی ہو رہا تھا۔

دو بت اک دوسرے کے آمنے سامنے تھے، لمحے جیسے منجمد ہو کر ایک جگہ ٹھہر گئے تھے، یہ لمحے دوبارہ نہیں آئیں گے، کاش گھڑیاں یونہی ساکت ہو جائیں۔

"سلطنت۔"

"نہیں عباس کچھ نہیں بولیے، ہمیں بس محسوس کرنے دیجئے کہ آپ ہمارے پاس ہیں۔" اس نے آنکھیں موند لیں، عباس کا دل چاہا کہ آگے بڑھ کر وہ ان آنکھوں کی معصومیت کو لبوں سے چوم لے مگر ہمیشہ کی طرح حیا نے دامن تھام لیا۔

"یہ دوری، ہم تو جیسے اپنی ہستی ہی کھونے لگے تھے، آپ کے بغیر وہ لمحے، قیامت بن کر گزرے ہم پر۔" وہ ہولے ہولے سے آنکھیں بند کیے بول رہی تھی۔

"آنکھیں کھولو، میں حقیقت میں تمہارے سامنے کھڑا ہوں اور تم میرے سامنے۔" اس نے ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھولیں، جیسے وہ خواب ہے آنکھیں کھلنے پر ٹوٹ جائے گا۔

وہ اسے لے کر ایک بنچ پر بیٹھ گیا، پھر کافی دیر وہ دونوں باتیں کرتے رہے، جاتی سہ پہر کے سائے آئی شام کو جگہ دیتے خود سرکتے ہوئے پیچھے ہٹ رہے تھے، ہوا میں بھی ہولے ہولے شوخی سی آ رہی تھی، عباس بول رہا تھا اور وہ خاموشی سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

نوابوں سے زیادہ جاہ و جلال، حسن اتنا کہ سامنے والا دم سادھے رہ جائے، سید زادہ، کیا کمی ہے اس میں، خواب کی وادی سے باہر قدم نکلے تو حقیقت سے آگے بڑھ کر قدم تھام لئے۔

"کیسے ہو گا سب؟" بڑے نواب صاحب کی پرچھائی جیسے اڑتی ہوئی ان دونوں کے درمیاں حائل ہو گئی، اسے جھرجھری سی آ گئی۔

"ابا حضور کبھی نہیں مانیں گے، وہ کسی بد کردار نواب کے ساتھ مجھے بیاہ سکتے ہیں مگر عباس نہیں کیونکہ اس کے ساتھ نوابی کا لیبل نہیں لگا۔" اس کی نظروں کے آگے چھوٹے نواب کا نقشہ کھنچ گیا، اس نے بوا کے منہ سے سنا تھا کہ وہ تو اپنے گھر کی خادماؤں کو نہیں چھوڑتے تھے، شریف زادیاں تو ان کا سامنا کرنے سے کتراتی تھیں۔

بوا نے بتایا تھا کہ ایک دفعہ چاندنی بیگم، فیض آباد کی مشہور ناچنے گانے والی کو چھوٹے نواب گھر لے آئے، لیکن گھر والوں نے اسے بھگایا، لیکن وہ پھر بھی نہ سدھرے، تمام عمر شادی نہیں کی کہ اس رشتے کی عظمت کو نبھا نہیں سکتے تھے گھر آ کر بھی ان باتوں نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔

☆☆☆

وہ شام کو گھر لوٹا تو اکبری باہر نل کے پاس کھڑی اپنے پاؤں دھو رہی تھی، اچانک اس کی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

نظریں اس کے پیروں پر پڑی تھیں اس نے چہرہ پھیر لیا، وہ اندر آ گیا تو اس نے سر پر دوپٹہ جما لیا اور پھر لجاتی شرماتی اس کے قریب چلی آئی۔

"پانی لاؤں۔"

"نہیں رہنے دو۔" حالانکہ اس کو بہت پیاس لگی تھی مگر وہ اس کے اتنے لجانے شرمانے پر "نہ" کر گیا۔

"بھوک لگی ہو تو کھانا لاؤں۔" وہ اس کے ساتھ ساتھ ہی چلنے لگی، وہ چند سکھی سکھائی باتیں ہی کرتی تھی شاید اماں نے اتنا ہی کہا تھا۔

"رہنے دو بھوک نہیں، ممانی کہاں ہیں؟" بات کرتے ہوئے وہ چند قدم اس سے آگے بڑھ گیا۔

"میر رئیس کے ہاں گئی ہیں، قرآن خوانی میں۔" اس اس کا یوں چند قدم آگے کو بڑھ جانا اچھا نہ لگا اماں گھر پر نہیں تھیں اس بات کا فائدہ اٹھانا اس کا بھی حق تھا ورنہ اماں کی موجودگی میں نظروں کو کتنا سنبھالنا پڑتا تھا دل اتنا چاہتا تھا کہ وہ سامنے بیٹھا رہے اور وہ اسے دیکھتی رہی، اس کے سارے کام بغیر جھجک کے کرے، مگر وہ دامن بچا کر گزر جاتا۔

"چھوٹی ممانی کدھر ہیں؟" اس نے پھر بغیر اسے دیکھے سوال داغا۔

"باورچی خانے میں۔" عباس کی اتنی بے اعتنائی برتنے پر اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا مگر وہ جاننے کی پروا کیے بغیر آگے کو بڑھ گیا، جہاں ممانی جان سل پر مصالحہ پیس رہی تھیں۔

"اور سناؤ لاہور والے سارے ٹھیک ہیں؟"

"شکر الحمدللہ، ہر طرح سے خیریت ہے۔"

"اچھی بات ہے میاں، آغائی بیگم کی طبیعت کیسی ہے، سنا تھا اچانک طبیعت بگڑ جاتی ہے، ہمیں تو بڑی فکر ہو رہی تھی۔" وہ کوفتے بنا رہی تھیں۔

"جی ممانی جان ان کی تو مجھے بھی ہر وقت فکر ستاتی رہتی ہیں، پتہ ہی نہیں چلتا پل میں کیا ہو۔"

"خدا سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے، زینو کی سناؤ، اس کی تو نسبت طے ہے ناں اپنی پھوپھو کے لڑکے کے ساتھ۔"

"جی سالار بھائی، نیوی میں ہوتے ہیں کراچی۔" عباس نے آگاہ کیا۔

"ہاں ہم جانتے ہیں وہ ہماری ممانی کے دور کے رشتے دار ہیں، بڑے ٹھیک ٹھاک لوگ ہیں آگے زینو کی قسمت خدا نیک کرے۔" ان کے ہاتھ بڑی تیزی سے کوفتے بنا رہے تھے۔

"کتنا مشکل ہوتا ہے یہ بنانے کا عمل۔" عباس ان کی اتنی تیاری دیکھ کر سراہنے لگا۔

"اتنی محنت سے بناؤ پھر بھی تمہارے ماموں کوئی نہ کوئی نقص نکال ہی دیتے ہیں، ویسے تمہاری بیوی کو بڑا فائدہ ہوگا اتنا سراہنے والا مرد ملے گا۔" انہوں نے باورچی خانے کے دروازے سے اندر آتی اکبری کو بڑی معنی خیز انداز میں دیکھا۔

"اتنی محنت سے بناؤ اور کوئی سراہ کر کھائے، اچھا تو لگتا ہی ہے۔" ان کی نظریں کبھی اکبری کی طرف اٹھتیں اور کبھی عباس کی طرف جو شرما کر نظریں نیچی کر گیا تھا ہاں بیوی کے نام پر اکبری نے نجانے کس احساس کے تحت بڑے غور سے عباس کو دیکھا تھا، جہاں اسے اپنے لئے کچھ بھی نظر نہیں آیا تھا، کیا تھا وہ اک نظر میری طرف دیکھ لیتا۔

"اپنی ظہورن بی کی سناؤ؟ ویسی ہی ہے وہ یا کچھ سنبھلی۔" ممانی جان بات پھر لاہور والوں کی طرف موڑ گئیں۔

"ویسی سے کیا مطلب؟"

"سڑیل، ہر وقت غصے میں جو بھری رہتی ہے۔" ظہورن بھابھی کو وہ اچھی طرح سے جانتی تھیں کیونکہ وہ ان کی ننھیالی رشتے دار تھیں۔

"نہیں تو، ایسی تو نہیں ہیں وہ۔" عباس نے جیسے ان کے سڑیل پن پر پردہ ڈالنا چاہا وہ اس کی بھابھی تھیں ہر کوئی انہیں بات کر جائے اسے یہ بات بھی برداشت نہیں تھی ورنہ جتنی وہ سڑیل تھیں وہ اچھی طرح جانتا تھا اپنے آنے سے پہلے کا واقعہ اس کی نظروں کے سامنے آ گیا، کیسے وہ اس دن اماں کے ساتھ بات کر رہی تھیں، بھابھی تھیں اس لئے وہ خاموش رہا ورنہ کوئی اور ہوتا تو وہ منہ توڑ دیتا جو اس کی ماں کے ساتھ بدتمیزی کرے۔

"ارے میاں رہنے دو، بچپن سے جانتی ہوں میں اسے، جانے آغائی بیگم کو اس میں کیا نظر آیا تھا جو اسے لائق بیٹے کو اس کے لڑ باندھ دیا کمی نہیں تھی اس کے لئے لڑکیوں کی، میرے بڑے بھیا نے ہزار دفعہ مجھے زہرہ کے لئے کہا مگر وہ نجانے کب جا پہنچی اعظم گڑھ۔" ممانی نے جانے کب کا غصہ نکالا تھا، عباس بولا کچھ نہیں، اکبری باورچی خانے سے باہر جا چکی تھی۔

"چلو جو ہوا اچھا ہوا، جہاں قسمت ہوتی ہے وہاں ہی ہوتا ہے، قسمت سے کون لڑا ہے۔" اپنی باتوں کا جواب انہوں نے خود ہی دے دیا تھا۔

"فیض آباد کب جا رہے ہو؟"

"قریب قریب تو نہیں۔" وہ سٹول سے اٹھتا ہوا بولا۔

"جب جاؤ گے تو مجھے بتا کر جانا میں نے کچھ چیزیں بھجوانا ہیں۔" ممانی جان کا میکہ فیض آباد میں ہی تھا اس لئے عباس جب فیض آباد جاتا کوئی کام ہوتا تو وہ اسی سے کرواتی وہ اٹھ کر باہر آ گیا آگے اکبری برآمدے کے پلر کے ساتھ ٹیک لگا کے کھڑی تھی۔

"یہ لڑکی کن راستوں پہ قدم رکھ رہی ہے؟" اسی بات کو سوچتا وہ زینہ چڑھنے لگا۔

☆☆☆

صبح وہ یونیورسٹی کے لئے تیار ہو رہا تھا، جب مہر دین کمرے میں ہانپتا ہوا آیا، بوڑھی جان تھی زینہ چڑھ کر آیا تھا اس لئے سانس پھول رہا تھا۔

"بڑے میاں آپ کو یاد فرما رہے ہیں، کہہ رہے تھے یاد سے مل کر جایئے گا۔" وہ اتنا کہہ کر انہی قدموں سے واپس مڑ گئے، گھر کے پرانے ملازم تھے با اعتماد، بڑھاپے کی وجہ سے کام بھی ٹھیک طرح سے نہیں ہو پاتا تھا مگر سارے گھر والے ان کے ساری زندگی اس گھر کے لئے وقف کر دینے کی وجہ سے ان کی بہت عزت کرتے تھے اور سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ وہ اس گھر سے جائیں وہ اس گھر میں اس گھر کے ایک فرد کی طرح رہتے تھے۔

"ماموں نے صبح صبح کیوں یاد کیا۔" وہ تولیے سے اپنے شانوں کو رگڑنے کے بعد شرٹ پہن کر اس کے بٹن بند کرتا جلدی جلدی زینہ اترنے لگا۔

ماموں کی سخت طبیعت کی وجہ سے وہ ان سے زیادہ کھل مل نہیں پایا تھا حالانکہ کہ اب تو عرصہ ہو چلا تھا اس گھر میں رہتے ہو زینہ اتر کر وہ آنگن میں چلا آیا، بڑی ممانی باورچی خانے میں ناشتہ تیار کر رہی تھیں، چھوٹی ممانی بھی ان کی مدد کر رہی تھیں اکبری چھوٹے ماموں کو پانی کا گلاس دے رہی تھی (اسے دیکھ کر دوپٹہ سر پر جما لیا) جو آنگن میں پیڑ کے نیچے تخت پر بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے، عباس کو دیکھ کر ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، باہری دیوار کے ساتھ ساتھ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

بنی چھوٹی چھوٹی کیاریوں میں موتیا گلاب مہک رہا تھا، ننھے ننھے پورے عجب بہار دکھا رہے تھے، ہلکی پھلکی ہوا چل رہی تھی، پرندے خوشی سے چہچہا رہے تھے، صاف ستھرے سرخ فرش کو نوابن (گھر کی ملازمہ) نے سویرے سویرے ہی دھو ڈالا تھا، ٹھنڈا ٹھنڈا، نکھرا نکھرا گھر کا ماحول اندر تک دل کو تسکین بخش گیا۔

وہ چھوٹے ماموں کو آداب کرتا، بڑے ماموں کے کمرے کی طرف بڑھ گیا، دروازے کے قریب کھڑے ہو کر اس نے گلا کھنکارا۔

"آ جاؤ۔" ماموں کی آواز پردے کے پیچھے سے نکلی تو وہ پردہ ہلکا سا سرکا کر اندر آ گیا، گرمی ہو یا سردی بڑے ماموں کے دروازے کے آگے ہمیشہ پردہ گرا رہتا، گرمیوں میں نٹ کا اور سردی میں کاٹن۔

اپنے کمرے کی صفائی بڑی ممانی جان خود کر کے گئی تھیں، ماموں جب تک صبح گھر میں ہوتے تھے نوابن کمرے میں نہیں آتی تھی، بس ماموں کو اچھا نہیں لگتا تھا کہ وہ اپنے کمرے میں ہوں اور آس پاس نوکرانیاں دندناتی پھریں، صبح وہ تھوڑا لیٹ جاتے تھے اس لئے ممانی جان جلدی جلدی ناشتے سے پہلے کمرا صاف کر دیتی تھیں۔

پلنگ پر سفید دو دھاری چادر کرینے سے بچھی ہوئی تھی، دو کرسیوں کے درمیان چھوٹا سا میز جس پر کروشیے کے میز پوش پر راکھ دانی رکھی ہوئی تھی، ماموں سگریٹ بہت پیتے تھے، کمرے میں چھوٹی سی کتابوں کی الماری کے ساتھ آرام دہ کرسی کمرے کے حسن کو بڑھا رہی تھی، فرش پر ہلکے سبز رنگ کا قالین بچھا ہوا تھا، وہ چلتا ہوا ان کے قریب آ گیا جو آرام دہ کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے۔

"آؤ یہاں بیٹھو۔" وہ سامنے بچھی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گیا۔

"بہت دن ہوئے ملے نہیں تو سوچا بلا کر تمہارا حال ہی پوچھ لیا جائے۔"

"کیسی گزر رہی ہے۔" اسے اس وقت اپنی سماعتوں پر اعتبار نہیں آ رہا تھا، ماموں کا یوں اسے اپنے پاس بلا کر حال پوچھنا، اتنا وقت گزرا اس گھر میں رہتے ہوئے لیکن ماموں سے سلام سے لیا تو انہوں نے جواب دے دیا ورنہ وہ زیادہ تر خاموش ہی رہتے تھے۔

"کیا ہوا ہے انہیں؟"

"جی میں ٹھیک ہوں۔" وہ شاک کا مارا صرف اتنا ہی کہہ سکا۔

"اماں تو ٹھیک تھیں تمہاری؟ سنا ہے طبیعت آئے دن بگڑی رہتی ہے۔"

"جی ٹھیک سنا ہے آپ نے، طبیعت خراب ہی رہتی ہے۔"

ماموں جان اپنی آنکھوں پر چشمہ چڑھائے ہوئے تھے جسے اتار کر انہوں نے رومال سے صاف کیا تھا چشمے کے بعد ایک عدد سگریٹ سلا کر انہوں نے ہونٹوں میں دبا لیا، وہ نظریں اِدھر اُدھر ہی بھٹکا رہا تھا۔

"اچھا جاؤ یونیورسٹی سے لیٹ ہو رہے ہو گے تم۔" وہ تو آگے ہی موقعہ چاہ رہا تھا، جلدی سے اٹھ کر وہ باہر آ گیا۔

ماموں کا یوں بے مقصد کمرے میں بلانا، چار باتیں کر کے جانے کو کہنا اسے سمجھ نہ آیا۔

وہ یہی باتیں سوچتا واپس کمرے میں چلا آ ذہن جانے کن کن باتوں کی طرف بھٹک رہا لیکن پھر ساری سوچوں کو جھٹکتا وہ اپنی سوچ سلطنت کی طرف لے گیا، آج وہ یونیورسٹی آ گی۔

دل اندر ہی اندر سوچ کر جیسے بچوں کی طر

خوش ہو گیا، محبت بھی کیا بلا ہوتی ہے سارے وہم دل سے بھلاتی انسان کو اپنے تعاقب میں بھٹکائے رہتی ہے۔

☆☆☆

یاسمین سے نوٹس لینے کے بعد وہ لائبریری سے باہر نکل آیا، تیز دھوپ آنکھوں میں چبھ رہی تھی دور دور تک سبز گھاس پر دھوپ کی سنہری کرنیں بے خطر اپنی سنہری زلفیں پھیلائے ہوئے تھی اور اس کی نظریں اس سیاہ زلفوں والی پری کو ڈھونڈ رہی تھیں جو ٹھنڈے امرت کا پیالہ ہاتھ میں پکڑے اس کی پیاس بجھانے کو انتظار میں کھڑی تھی۔

وہ اس کی سیاہ زلفوں میں ساری گرمی بھلا دینا چاہتا تھا اس امرت کو ہونٹوں سے لگانا چاہتا تھا۔

دو پیار کرنے والے اک دوسرے کو تلاش کر رہے تھے، یہ لمحے بھی کتنے جاں گسل ہوتے ہیں محبوب کی جب تک جھلک نظر نہ آئے ہر اٹھنے والا قدم پتھروں سے زیادہ بھاری ہو جاتا ہے، بے قرار نگاہیں ہر سمت یوں اٹھتی ہیں جیسے وہ نظر نہ آیا تو اپنی بینائی کھو دیں گی، وہ اسے خود سے تھوڑی دور برآمدے میں کھڑی نظر آئی۔

وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھی اس لئے اک نظر وہ کھڑی کو دیکھتی اور پھر دوسری دفعہ سامنے والے راستے کی طرف۔

وہ دور سے اس قیامت کا نظارہ کر رہا تھا، جس کی سمندر سے بھی گہری سیاہ آنکھوں میں وہ مست سا خود کو بے سہارا چھوڑ دینا چاہتا تھا یہ ایسا سمندر تھا جس میں ڈوبنے کا بھی اپنا ہی مزہ ہے، وہ بھی اسے دیکھ چکی تھی اس لئے قریب چلی آئی، ہلکے فیروزی رنگ کی شلوار قمیص میں وہ کھلی کھلی بے حد حسین لگ رہی تھی، وہ بے خود سا اسے دیکھ رہا تھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو۔"

"بولو ناں عباس۔" وہ اس کی خاموشی پر مچل گئی۔

"کچھ نہیں، بس ایسے خاموش رہ کر اپنی قسمت پر رشک کر رہا ہوں، سوچ رہا ہوں خدا کے حضور سجدہ شکر بجا لاؤں۔" اس کے لہجے سے ٹپکتی محبت، سلطنت کے گال حیا سے لال ہو گئے۔

"ایسا کیا؟" وہ ادا سے اٹھلائی عباس کی زبان سے نکلے اپنے لئے یہ الفاظ اسے جیسے حیات جاوداں بخش گئے۔

"ایسا کیا نہیں ہے تم میں سلطنت۔" وہ جذب کے عالم میں بولا۔

"سلطنت نہیں، وہ کہیں جو آپ ہمیں کہتے ہیں۔"

"تنو۔" ہزاروں رنگ برنگے پھول جیسے کسی نے اس کے اوپر اچھال دیئے، گلال سا فضاؤں کو رنگین کر گیا اور پھر سب سے حسین رنگ عباس کی آنکھوں میں تھا وہ رنگ صرف اس کے لئے تھا ایسا رنگ جو اس کی زندگی کے بلیک اینڈ وائیٹ حصے کو رنگین کر گیا تھا۔

"تمہارے آگے کچھ بھی بھائی نہیں دیتا، زندگی میں ہر طرف تم ہی تم ہو۔" عباس کا ہاتھ ہلکے سے اس کے ہاتھ کو چھوا تھا اس کا تو جیسے اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا عباس سے ایسا انجانے میں ہو گیا تھا لیکن وہ جیسے بے خود سے ہو گئی۔

"کیا تھا اس لمس میں۔" وہ بول رہا تھا مگر وہ ابھی تک اپنے ہاتھ کے اس حصے کو دیکھ رہی تھی جو اس کے چھونے سے نئی زندگی پا گیا تھا، اس کے ہاتھ سے نظریں اٹھا کر عباس کی طرف دیکھا

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

جو سگریٹ کو سلگا کر ہونٹوں میں دبا رہا تھا، کتنا جچتا ہے اس کے ہاتھوں میں سگریٹ۔

وقت اپنی مخصوص رفتار کے ساتھ آگے کو بڑھ رہا تھا برسات پورے جوبن کے ساتھ لکھنو کے آسمان پر دندناتی پھیر رہی تھی، کالی گھٹائیں روز ہی اُمڈ اُمڈ آتیں۔

ساؤن کے جھولے لڑکیوں بالیوں کے آس کی اڑانیں اڑا رہے تھے، کوئلیں کوک رہی تھیں، پپیہا پی پی کی صدائیں لگا رہا تھا، لکھنو کے وضع دار لوگ اپنے اپنے گھر میں ساؤن منا رہے تھے، سکھیاں مل جل کر ساؤن کے پکوان پکاتی ساتھ ساتھ ساؤن کے گیت بھی الاپ رہی تھیں۔

پیا آ جا ساؤن رت آئی
تیرے بنا نہ بیہ من بھائی

☆☆☆

بوا پائیں باغ کی صفائی کروانے کے بعد باورچی خانے میں آئی تھیں جہاں حسنی جلال کے ساتھ ہنسی کھیل میں لگی تھی، چائے کا وقت ہو رہا تھا، بوا کو یوں اس کا بے وقت کھیل اچھا نہ لگا اس لئے وہ اسے ڈانٹنے کے بعد چائے کے ساتھ پکوڑوں کا کہتی باہر نکل آئیں جہاں لان میں دادی حضور کے ساتھ سلطنت بھی موجود تھی۔

"ہمارے زمانے میں ساؤن کے دنوں یہ حویلی دیکھنے کے قابل ہوا کرتی تھی، طرح طرح کے پکوان پکتے، جہاں آرا اور شمیم آرا (سلطنت کی پھپھیاں) رنگ برنگی چنریاں پہنے سارے گھر میں پائلیں بجاتی پھرتیں۔"

دادی حضو کی نظروں کے آگے اس حویلی کے گزرے دن آنکھ مچولی کھیلنے لگے۔

شروع سے لکھنو واحد ایسا شہر ہے جو ہر موسم اور ہر تہوار کا اپنے انداز سے استقبال کرتا ہے، وہ خوشی کے ایام ہو یا غمی کے۔

"شمیم آرا کی سہیلیاں جب حویلی آتیں تو سارا دن گھر میں میلے کا سا سماں رہتا۔" بوا نے بھی دادی حضور کی باتوں میں شریک ہونا ضروری سمجھا، سلطنت بڑے دھیان سے دونوں کی باتیں سن رہی تھی۔

"ہاں جہاں آرا کی سہیلیاں اس کی طرح تھیں سلجھی ہوئیں تھیں۔"

"آپ کو یاد ہے بڑی بیگم، شمیم آرا کی وہ سہیلی جو اپنے نواب کے پیچھے تو ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ گئی تھی۔" بوا تو اپنے رو میں کہہ گئیں تھیں یہ بات مگر بڑی بیگم نے کڑے تیوروں میں اسے دیکھا تھا۔

"بچی کے سامنے کیا ذکر لے بیٹھی۔" بوا کو بھی خیال آ گیا تھا کہ وہ اس گھر کی راز دار میں غلط جگہ پر بات کہہ بیٹھی ہیں۔

"معافی چاہتی ہوں۔" دادی جان سلطنت کے سہارے اٹھتے ہوئے آرام کی غرض سے اندر چلی گئیں، حسنی ان کے ساتھ کمرے تک گئی تھی، سلطنت کو تو اشتیاق نے آن گھیرا تھا۔

"بولیے نہ بوا کیا ہوا تھا؟" وہ پچھلے پندرہ منٹ سے بوا کا منہ کھلوانا چاہ رہی تھی، لیکن وہ بڑی بیگم کے خوف سے منہ بند کیے ہوئے تھی، لیکن پھر سلطنت جسے وہ بیٹی کی طرح چاہتی تھیں اس کا یوں بار بار اصرار کرنا ان سے دیکھا نہ گیا۔

"بیٹا تم جانتی تو ہو کہ اپنے چھوٹے نواب شروع سے بڑے رنگین مزاج رہے ہیں عورت کو تو انہوں نے ہمیشہ اپنے در کی باندی سمجھا ہے جب جی چاہا کمرے تک لے آئے، لیکن اس چکر میں سارا قصور ان کا بھی نہیں تھا، شمیم آرا کی وہ سہیلی، اتنی تیکھی اور کراری لڑکی میں نے آج تک اپنی زندگی میں نہیں دیکھی، جسم میں تو مانوں

سپرنگ لگے ہوئے تھے، اچھلتی کودتی رہتی تھی، طبیعت میں ٹھہراؤ نام کو نہیں تھا۔"

اسے پتہ چل گیا تھا کہ وہ اپنے نواب صاحب کس مزاج کے آدمی ہیں اور تھے بھی حسین اوپر سے نوابی کی مہر۔

ساؤن اپنے پورے جوبن پر تھا، آئے دن بارش لکھنو کے سینے کو جل تھل کر جاتی، من جیسے مور کی طرح ناچتا اور پائلیں بجاتا، ساؤن کی خوشی ہی الگ ہوتی تھی۔

برسوں سے چلی ریت کے مطابق جہاں آرا اور شمیم آرا کی سہیلیاں حویلی میں اکٹھی تھیں، سب نے مل کر طے کیا اور چھوٹے نواب کو لے کر ریسٹ ہاؤس چلے گئے جہاں سے تھوڑے فاصلے پر ان کے خاندانی آموں کے باغ تھے۔

"بوا آپ بھی ساتھ تھیں۔" سلطنت پہلی دفعہ کو یا ہوئی۔

"ہم تو دونوں بیٹیا کے ساتھ ساتھ ہی رہتے تھے، آپ کے دادا حضور بہت سخت تھے اس معاملے میں۔"

"ہمارا ریسٹ ہاؤس پہنچتے ہی بارش بھی دھاؤا بولتی آ گئی، ان لڑکیوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ بیہ بارش میں ہی باغ میں چلی گئی، سوائے جہاں آرا کے وہ نہ گئی، بڑے نواب صاحب سے بہت ڈرتی تھی، سارا دن لڑکیاں بارش میں ہی مستی کرتی رہیں۔"

"آپ نے انہیں روکا نہیں بوا۔"

"اے لو بٹیا، ہماری کیا اوقات اور وہاں ہماری سنتا کون، سب اپنے اپنے گھروں سے اجازت لے کر آئیں تھیں، ہم کیسے روکتے ان کو، ہاں ہم نے بس شمیم آرا کو منع کیا تھا مگر وہ بھی اپنی مرضی کی مالک تھیں کم ہی سنتی تھیں کسی کی، اس لئے تو....." بوا کچھ بولتے بولتے رک گئیں، سلطنت کو جیسے شک سا گزرا۔

"اس لئے تو..... کیا مطلب ہے؟"

"کچھ نہیں بٹیا۔"

"نہیں کچھ تو ہے آپ ہم سے چھپا رہی ہیں۔"

"بڑی بیگم کو پتہ چل گیا ناں تو ہماری گردن اتروا دیں گی۔"

"کچھ نہیں ہو گا، شمیم پھوپھی نے کیا کیا تھا؟" اس کا تو اشتیاق ہی بڑھتا جا رہا تھا اپنے خاندان کے متعلق وہ جاننا چاہتی تھی۔

"آپ کیوں چاہتی کہ اس بڑھاپے میں ہماری چٹیا کسی کے ہاتھوں میں ہو، بڑی بیگم کو آپ نہیں جانتی۔" بوا تو ہاتھ جوڑ رہی تھیں، مگر وہ ماننے میں نہیں آ رہی تھی۔

"کدھر کی بات کدھر کو چل پڑی۔"

"وہ بھی سن لوں گی میں، آپ پہلے یہ بتائیں۔" بوا کو پتہ تھا کہ یہ کبھی بھی نہیں مانے گی اس کی رگوں میں بھی وہی نوابی خون ہے۔

"تمہاری شمیم پھوپھی نے اپنی مرضی سے اپنے جاننے والے کسی لڑکے سے نکاح کر لیا تھا۔" سلطنت کو جیسے کرنٹ سا لگا، اس پھوپھی کو اس نے بس ایک دو دفعہ دیکھا تھا۔

"شاید بوا اس لئے ان سے کوئی نہیں ملتا۔"

"تمہارے ابا حضور کے علاوہ سب ملتے ہیں، چھپتے چھپاتے۔" بوا نے اک اور انکشاف کیا۔

"لیکن دادی حضور تو اس معاملے میں بہت سخت ہیں۔" سلطنت بالکل بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

"زمانے کو دیکھنے کے لئے سختی کا خول چڑھایا ہے ورنہ اپنے بچوں میں وہ لڑکیوں کے زیادہ قریب تھیں، تمہارے ابا حضور سے تو وہ ایک

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

دفعہ باقاعدہ جھگڑ پڑی تھی، کام تو تمہارے ابا سے بھی ٹھیک نہیں ہوا تھا ناں اس لئے وہ کسی کو کیا نصیحت کر سکتے تھے، تمہاری اماں کے ساتھ انہوں نے بھی تو اپنی مرضی سے پوچھے بغیر نکاح کر لیا تھا۔'' بوا نے آج ہی حویلی کے سارے رازوں سے پردہ اٹھا دیا تھا، یا ان رازوں سے پردہ کشائی کی ایک کڑی سی بنتی رہی تھی۔۔

سلطنت تو سن کر سکتے میں آ گئی، مجھے علم ہی نہیں اس بات کا، ہاں یہ پتہ تھا کہ امی حضور اور ابا حضور کی پسند کی شادی تھی لیکن گھر والوں کی رضا مندی کے بغیر نکاح اسے جھرجھری سی آ گئی۔

''ایک دن آپ نے اپنی اماں حضور کے بارے میں جاننے کی کوشش کی تھی۔'' بوا نے تھوڑا عرصہ پہلے کی بات اسے یاد کرانا چاہی، سلطنت کو بھی یاد آ گیا۔

''آپ کی اماں حضور شادی کے بعد صرف ایک دفعہ اپنے میکے گئی تھیں، میں بھی ان کے ساتھ تھی، لیکن آپ کے نانا نواب سلطان جہاں کو جب پتہ چلا، انگارے برساتی آنکھوں کے ساتھ آپ کی اماں کا ہاتھ تو پکڑ کر انہوں نے حویلی سے باہر نکال دیا اکلوتی بیٹی تھیں وہ ان کی یہ بھی نہ سوچا انہوں نے اور تا حیات کے لئے اس پر اپنی حویلی کے دروازے بند کر دیئے، یہی بات کھا گئی آپ کی اماں کو اور وہ دنوں میں بیمار ہو کر اللہ کو پیاری ہو گئیں۔''

بوا کی باتیں سنتے ہوئے سلطنت کی آنکھوں سے پانی متواتر بہہ رہا تھا، اپنی محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر انہوں نے جو بھی کیا، غلط تھا یا سہی، لیکن پھر بھی وہ اس کی ماں تھیں، بوا نے روتی ہوئی سلطنت کو محبت سے اپنے سینے لپٹا لیا۔

''ناں میری بٹیا، ماں نہ سہی آپ کے ابا تو ہیں جو آپ سے اتنی محبت کرتے ہیں۔'' انہوں نے اس کی گالوں سے آنسو صاف کیے۔

''آپ کے ابا کی ایک بات ہمیں بہت پسند ہے، محبت کو انہوں نے بدنام نہیں کیا، چھوٹے نواب کی طرح جسے چاہا صرف اسے ہی چاہا اس کے مرنے کے بعد بھی۔''

''اے لو اصل بات تو درمیان میں ہی رہ گئی۔'' سلطنت کو چپ کروانے کے بعد ایک طرف بیٹھ گئیں وہ۔

''ان حویلیوں میں جانے کتنی اور داستانیں چھپی ہیں جن کا ہم کو بھی علم نہیں ہے۔'' سلطنت آنسو صاف کرتی بغور ان کو دیکھنے لگی۔

''اس رات ریسٹ ہاؤس میں جانے کیا ہوا ہمیں علم نہیں، ہاں اس کے پورے ایک مہینے بعد وہ لڑکی آن دھمکی اور ڈٹ کر بیٹھ گئی کہ جب تک فیصلہ نہ ہو گا وہ جانے کی نہیں۔'' بوا سانس لینے کو رکی۔

''ہم تو ہکا بکا رہ گئے کہ ہوا تو ہوا کیا اور پھر جب اس نے منہ کھولا تو زمین سرک گئی سبھی کے قدموں تلے سے، وہ بولی میں نواب آصف علی کے بچے کی ماں بننے والی ہوں۔'' بوا نے یہ بات کہتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں جیسے اس گزرے منظر کو دوبارہ من کی آنکھ سے دیکھ سکیں۔

''بڑی بیگم کے ہاتھ سے تو طوطے چھوٹ گئے یہ دھان پان سی لڑکی جس کے ساتھ ہم اپنی بچی سمجھ کر اتنی محبت کرتے تھے، کیسے الزام لگا رہی ہے، ہماری حویلی کی عزت کی اسے ذرا بھی پروا نہیں، لیکن وہ خاموش رہی کہ بیٹے کی کرتوتوں سے بھی اچھی طرح واقف تھیں۔'' سلطنت کو جیسے شاک سا لگا، چچا کے بارے میں وہ جانتی تھی مگر اس قدر نہیں وہ سر کو افسوس میں جھٹک کر رہ گئی۔

''چھوٹے نواب تو یہ بات سنتے ہی جانے کہاں فرار ہو گئے، آپ کے ابا حضور نے پیسے دے کر معاملہ رفع دفع کرایا اور وہ لڑکی بھی ایسی ہی تھی جیب گرم ہوئی تو چپ کر گئی۔''

''حقیقت میں اس حویلی میں کوئی آدمی تو تھا تو وہ آپ کے دادا حضور تھے، نمازی، پرہیز گار، میں نے انہیں کبھی اونچا بولتے نہیں سنا، لیکن پھر بھی پوری حویلی پر رعب تھا ان کا۔'' بوا بڑی عقیدت سے بول رہی تھیں، سلطنت نے انہیں نہیں دیکھا تھا کیونکہ وہ بہت چھوٹی تھی جب وہ اس دار فانی کو خیر باد کہہ گئے تھے، لیکن بوا کے بتانے پر وہ سوچنے پر مجبور ہو رہی تھی کہ اچھائی مر کر بھی انسان کے رتبے میں اضافہ کرتی رہتی ہے اور برائی زندہ انسانوں کو گندگی کے ڈھیر میں بدل دیتی ہے۔

''بٹیا یہ باتیں جو ہم نے آپ کو بتائیں ہیں بڑی بیگم کو پتہ نہیں چلنا چاہیے کہ آپ کچھ جانتی ہیں۔'' وہ اٹھی تو بوا بھی اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔

''آپ پریشان نہ ہوں۔'' وہ ان کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر یقین دلاتی اندر بڑھ گئی۔

☆☆☆

زینو کا خط ہاتھ میں لئے وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا چھت پر چلا آیا، جاتی سہ پہر کے لمحے سائے دور دور تک پھیلے ہوئے تھے، سورج آدھی سے زیادہ گرمی زمین والوں پر برسا چکا تھا، اپنی فطرت کے ہاتھوں مجبور وہ اپنی بچی کھچی گرمی بھی زمین کے سینے پر انڈیلتا آگے بڑھ رہا تھا جہاں خاموشیوں کی سیاہ چمکتی چادر اوڑھے رات کھڑی تھی جو جانے کیسے کیسے غم اپنے اندر سمیٹے ہوئی ہے پھر بھی وہ سب بھولے اپنی طرف آنے والوں کو سکون سے بھرپور نیند دیتی ہے، ان کے غم اپنے غموں میں انڈیل لیتی ہے، نوابن تل سے بالٹیاں بھر بھر کر گرم چھت کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر رہی تھی، عباس کو دیکھ کر ہاتھ روک دیئے۔

''موئی اتنی گرمی ہے تو اکبری کہنے لگی کہ چھت دھو ڈالیے اور ٹھنڈی چھت پر عباس کے لئے پلنگ بچھوا دیں، کمرہ تو گرمی سے تپ رہا ہے۔'' وہ خاموشی سے اس کی باتیں سنتا خط ہاتھ میں لئے کمرے میں چلا آیا، جو گرمی سے بری طرح تپش چھوڑ رہا تھا، نوابن نے کمرے کی کھڑکیاں نہیں کھولی تھیں اس نے خط میز پر کتابوں کے ساتھ رکھ دیا اور پھر بند کھڑکیاں کھولنے لگا، کمرے کی طرح اس کا ذہن بھی کسی تپش کے زیر اثر تھا۔

اکبری کا رویہ اس کی سمجھ سے بالاتر تھا، اس نے میز پر رکھا ٹھنڈے پانی کا گلاس اپنے اندر انڈیل لیا تو اسے بڑی حیرت ہوئی۔

اسے میری آمد کا وقت کیسے معلوم ہو جاتا ہے، اس نے کرب سے سوچا، کیوں کرتی ہے وہ یہ سب، ''تو کیا وہ'' ذہن کچھ سوچ کر کانپ اٹھا تھا، وہ ٹھنڈے پانی کا گلاس مانوں آگ بن کر اس کے اندر اترتا محسوس ہوا، اسے واپس میز پر رکھے وہ کھڑکی کے قرب چلا آیا جس کی لوہے کی سلاخیں گرمی کی شدت سے تپ رہی تھیں اس کی نظروں کے سامنے منظر کوئی اور تھا لیکن ذہن کہیں اور بھٹک رہا تھا، جہاں سلطنت ٹھنڈے پانی کا چشمہ بنی اس کی منتظر کھڑی تھی، وہ محبت کے جس جھولے میں جھول رہا تھا، وہاں دو پیار کرنے والوں کے سوائے کوئی دوسرا نہیں ہوتا۔

وہ خواب میں بھی اکبری کے بارے میں سوچ نہیں سکتا تھا کیونکہ اس کے دل نے صرف سلطنت کے لئے دھڑکنا سیکھا تھا۔

''اے میاں، اتنی گرمی میں اندر کیا کر رہے ہو، باہر آ جاؤ، پلنگ بچھ گیا ہے۔'' نوابن کی آواز پر چونکتا وہ کھڑکی سے پرے ہٹ گیا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

زینو نے خط میں اماں کی بیماری کا ذکر کیا تھا پچھلے دس دنوں سے ان کا بخار نہیں اتر رہا تھا، ابا کی طبیعت بھی نرم گرم ہی رہتی تھی اور سالار کے گھر والے بھی شادی پر زور دے رہے ہیں اور اماں نے ناہید بجیا کو خط لکھنے کو کہا تھا۔

ناہید بجیا کے ذکر پر اسے یاد آیا تھا فیض آباد جانا تھا، پلنگ پر لیٹے لیٹے اس نے کروٹ لی، بجیا تو بہت ناراض ہوں گی۔

بجیا سے اسے دلی محبت تھی، بڑے بھیا سے وہ چھوٹی تھیں مگر شادی ان کی پہلے ہوگئی تھی رشتہ اچھا مل گیا تھا، بھائی صاحب (حیدر) ابا کے دور کے رشتے دار تھے، سکول میں پڑھاتے تھے، بجیا نے ان دنوں نیا نیا میٹرک کیا تھا ابا نے کچھ نہ سوچا اور اللہ کا نام لے کر ان کی شادی کر دی، بجیا بالکل اماں کی طرح تھیں شفیق، مہربان، جب بھی اس کا دل اماں کے لئے اداس ہوتا وہ بجیا سے مل لیتا، بجیا سے ملے بغیر اسے چین ہی نہیں آتا تھا اور اب پورا مہینہ ہو چلا تھا، وقت کا حساب ہی زمین سے نکل گیا تھا، اس خوبصورت احساس کی ملکہ نے سارے حساب ہی الٹ پلٹ کر دیئے تھے، اس کے ہونٹوں پر خوبصورت سی مسکراہٹ مچل گئی۔

کتنا دل نواز احساس ہے یہ، اس نے محبت سے سوچا اور آنکھیں موند لیں، اتنی گرمی کے باوجود اسے محسوس ہوا جیسے وہ کسی ٹھنڈے پانی کے چشمے کے نزدیک آ بیٹھا ہے، ٹھنڈے پانی کی بوندیں اس کے تپتے بدن پر گرتی اسے سکون بخش رہی تھیں، سلطنت اک خوشی نما احساس بنی اس پر اپنی چاہت کا سایہ کیے ہوئے تھی، کیا تھا یہ سب، وہ کیوں اس سے اتنی محبت کرتا تھا کہ قدم قدم پر اسے وہی نظر آتی تھی شام کو تیار ہو کر وہ ایسے ہی ٹہلنے کے لئے باہر نکل آیا، حسین آباد کا شمار لکھنو کے قدیم علاقے میں ہوتا تھا، ٹھنڈی ٹھنڈی سی ہوا میں وہ اسٹریٹ لائٹس کی روشنی میں خود میں محو سا تھا، گھر میں اس کا دم گھٹ رہا تھا اکبری کو دیکھ کر وہ اندر سے کڑھ سا گیا تھا۔

دس پندرہ دن بعد اس زینو کا ایک اور خط ملا جس میں ایک خط بڑے ماموں کے نام بھی تھا، خط پڑھ کر ماموں بہت مسرور سے نظر آ رہے تھے اسے یہ بات بہت کھٹکی تھی اس لئے اس نے زینو کو خط لکھا اور وجہ پوچھی تو جواب وہی ملا جس کا اسے شک تھا۔

اماں اور بڑے ماموں اس بات کو بہت آگے تک لے گئے تھے، زینو نے بتایا تھا کہ اس میں اکبری کی رضامندی بھی شامل ہے اور اماں کو اپنے بھائی سے بڑھ کر کون تھا۔

خط پڑھ کر ہی اس کے اوسان خطا ہونے لگے، یہ اماں کیا کہہ بیٹھی ہیں، اب کیا کروں میں اس نے دونوں ہاتھوں میں اپنا سر تھام لیا۔

☆☆☆

بھادوں کا گرم اور حبس بھرا شروع ہو چکا تھا، گرمی کے زور میں کہیں سے بھی کمی نہیں ہو رہی تھی، بارش کو بھی اپنی مشکل دکھائی کافی دن بیت گئے تھے۔

ملک میں ہر طرف سیاسی گہما گہمی عروج پر تھی، دو اگست کو وائسرائے ہند نے آنے والے موسم سرما میں مرکزی اسمبلی کے لئے عام انتخاب کا اعلان کر دیا تھا، تمام سیاسی جماعتیں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی تھیں، مسلم لیگ اپنی پوری ایمان داری اور لگن کے ساتھ اپنی مہم میں مصروف تھی، قائداعظم کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ مسلمانوں کے لئے کسی فرمان سے کم نہ تھا، مسلمان اور ہندو، دو پارٹیوں کی صورت ایک دوسرے کے سامنے تھیں، کس کی بازی کدھر پلٹتی ہے یہ فیصلہ وقت نے کرنا تھا۔

آج کافی دنوں کے بعد وہ یونیورسٹی آیا تھا، سلطنت کی آنکھیں تو راہ دیکھ دیکھ کر تھک چلی تھیں، دادی حضور کافی دنوں سے علیل تھیں وہ ان کی وجہ سے بھی پریشان تھی اور اوپر سے عباس کی غیر حاضری۔

"ہم سے کیا کوئی خطا ہوگئی جو آپ شکل دکھانے سے بھی گئے۔" وہ ملتے ہی گلہ کر بیٹھی، کیا کرتی دل تھا کہ اس کی جدائی میں پاگل ہو رہا تھا جس کی صورت وہ ہر وقت اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھنا چاہتی تھی وہ اتنے دن نظروں سے اوجھل رہا۔

لیکن وہ جانتا تھا کہ وہ کیوں اتنے دن غیر حاضر رہا، پتہ نہیں کیوں وہ اس کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں پا رہا تھا، زینو کے خط نے اسے بہت پریشان کر دیا تھا۔

"کچھ تو بولیے عباس۔" اس کی التجائی انداز پر وہ صرف ہولے سے مسکرا دیا۔

"ہم تو سمجھے تھے کہ آپ ناراض ہوگئے ہم سے۔"

"کون کم بخت ہے جو اپنی زندگی سے ناراض ہوسکتا ہے، بولو، ایسا کبھی ہوا ہے اور نہ ہو گا۔" اس کے اتنے خوبصورت انداز پر سلطنت کے اندر منوں سکون اتر گیا۔

"آپ سے ہم نے محبت کی ہے تو، کوئی ایسی ویسی محبت نہیں، ہمارے لئے ہمیشہ آپ مقدم ہوں گی، یہ ہمارا وعدہ ہے۔" وہ اپنے اندر کا کوئی بوجھ ہلکا کرنا چاہ رہا تھا وہ باتیں جو پچھلے دنوں سے اسے پاگل کیے دے رہی تھیں اس کے اندر جانے کیسے کیسے وہم سر اٹھا رہے تھے مگر وہ انہیں اپنی جرأت سے پسپا کر رہا تھا اور اس میں وہ کامیاب ہوگیا تھا۔

"خیریت تو ہے، آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں، مجھے کوئی شک نہیں ہے آپ کی محبت پر، میں کافر نہیں ہوں جو عباس کی وفا پر شک کروں گی۔"

"میں جانتا ہوں سلطنت کہ ہم سے کتنی محبت کرتی ہو، وہ خاموشی سے اس کا چہرہ تک یاد تھا جہاں اس کی محبت نے چاہتوں کے گلاب کھلا رکھے تھے، دیئے سے تھے جو اس کی آنکھوں میں روشن تھے، یہ عباس کی محبت کی وجہ سے تھے اور اب اگر اس پتہ چلے تو....." اس چہرے پر اک زرد رنگ آ کر گزر گیا۔

"آپ ہمیں پریشان لگ رہے ہیں، کیا اب آپ ہم سے بھی کچھ چھپائیں گے۔" اس کے اتنے پیار سے پوچھنے پر ایک بار تو اس کا دل چاہا کہ وہ سارا کچھ کھول کر اس کے آگے رکھ دے لیکن وہ ایسا نہیں چاہتا تھا کہ سلطنت اس تکلیف میں مبتلا ہو جس میں وہ ہے۔

"آپ ہماری جان ہیں سلطنت ہاں کوئی مصلحت نہ ہو ورنہ دل کا ہر کونہ آپ کے سامنے ہے، کبھی کچھ نہیں چھپایا۔" وہ پورے ایمان سے بولا تھا۔

"تو اس بات میں کوئی مصلحت ہے اس لئے نہیں بتا رہے، چلیں ٹھیک ہے ہم اب نہیں پوچھیں گے اور ہم ناراض بھی نہیں ہیں۔"

"شکریہ، مجھے آپ سے یہی امید تھی۔"

یونیورسٹی کی نرم نرم ہری گھاس پر بیٹھے وہ اک دوسرے کو مان اور محبت دے رہے تھے، طالب علموں کو ٹولیاں جا بجا ہری گھاس پر موتیوں کی طرح بکھری ہوئی تھیں، سیاسی گہما گہمی اور جوش ہر طالب علم کو پرعزم بنائے ہوئے تھا آنے والے الیکشنوں کو لے کر ہر کوئی جذباتی ہو رہا تھا۔

یہ وہ دور تھا جب ہندو کیا مسلمان کیا سب اپنے ملک کو اغیار کے ہاتھوں اور کھلونا نہیں دیکھ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

سکتے تھے، وہ اپنے قائدین کی قیادت میں ہر وہ کام کرنے کو تیار تھے جس میں سو سو مشکلیں تھیں، اپنا دیس بہت بڑی نعمت ہوتی ہے اور اگر وہ پابند سلاسل ہو تو پھر اس کی تکلیف کو کوئی بھی عقل رکھنے والا انسان برداشت نہیں کر سکتا۔

☆☆☆

جانے آج کس احساس کے تحت وہ اپنے پیانو پر آ بیٹھی تھی جس کی شکل دیکھے اسے کافی عرصہ ہو چکا تھا، کسی زمانے میں یہ پیانو، اس کی اولین خوشی ہوا کرتا تھا دن کا آدھے سے زیادہ حصہ وہ اس کے ساتھ گزارہ کرتی تھی، لیکن وقت کا بدلاؤ بہت سی چیزوں میں تبدیلی لے آتا ہے، وہ چیزیں جن کے بغیر انسان ایک پل نہیں رہتا ان کی جگہ دوسری چیزیں لے لیتی ہے انسان کی فطرت تبدیلی چاہتی ہے، تغیر و تبدل اس کی فطرت میں شامل ہے، لیکن محبت ایک ایسا فطری جذبہ ہے جسے انسان چیزوں سے کمپیئر نہیں کر سکتا، انسان چیزوں کے معاملے میں فطرت کے ہاتھوں مجبور تبدیلی کر سکتا ہے یا ہو جاتی ہے، مگر محبت اگر ایک بار دل میں جنم لے لے تو پھر قیامت بھی اسے بدل نہیں سکتی، کوئی کسی کے دل سے محبت ختم کرنے کی لاکھ کوشش کرنے لیکن یہ جذبہ معدوم ہونے کے لئے دل میں جنم نہیں لیتا یہ تو ایک ایسا پودہ ہوتی ہے جو محبوب کی نظروں سے ٹپکنی والی چاہت سے پروان چڑھتے پردے ہولے ہولے ہوا سے ہل رہے تھے، کھڑکی سے باہر کا منظر صاف نظر آ رہا تھا صاف ستھرے آسمان پر پرندے اڑتے بہت بھلے لگ رہے تھے، اپنے آپ میں مگن وہ بھی آسمان کا دیکھتی اور کبھی پیانو کو۔

بوا اس کو چائے دینے کے لئے کمرے میں آئیں تو ایسے یوں اپنے خیالوں میں منہمک پا کر چائے پیانو سے تھوڑی دور رکھی میز پر رکھ دی اور خاموش بغیر آواز پیدا کیے اسے دیکھنے لگیں وہ بھی اتنی محو تھی اپنے خیالوں میں کہ اسے بوا کے آنے کی خبر ہی نہ ہوئی۔

بھادوں کا صاف آسمان جن پر عباس کی یاد کے خیالی بادل چھائے تھے وہ اسے اپنے آپ میں جکڑے ہوئے تھے اسے اردگرد کی خبر ہی نہ تھی۔

بوا چھوٹے چھوٹے بغیر آواز کے قدم اٹھائیں اس کے قریب چلی آئیں اور اس کے سر پر محبت سے ہاتھ رکھ دیا اس نے چونک کر بوا کو دیکھا۔

"آپ ہیں، ہم تو گھبرا گئے۔" وہ بوا کو اک نظر دیکھ کر پھر پیانو پر جھک گئی تو بوا کو جانے کیا سوجھی کہ ان کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو نیچے گرنے لگے، سلطنت نے پھر سے اوپر اٹھایا۔

"کیا ہوا بوا آپ رو کیوں رہی ہیں؟" وہ پیانو چھوڑ کر کھڑی ہو گئی اور گھبرا کر انہیں گلے لگا لیا، بوا کو روتے اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا وہ تو اچانک ان کے یوں رونے پر حواس باختہ ہو گئی۔

"بولیں تو کیا ہوا۔" بوا نے اپنے آنسو دوپٹے سے صاف کیے۔

"کچھ نہیں بیٹا بس ایسے ہی۔" انہوں نے پیچھے مڑ کر میز سے چائے کا کپ اٹھایا اور اس کی طرف بڑھا دیا۔

"چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔"

"آپ کچھ چھپا رہی ہیں ہم سے بوا۔" اس نے چائے پکڑ لی۔

"آپ بتائیں ہمیں۔" وہ ان کا ہاتھ پکڑ کر مسہری تک لے آئی۔

"بس آپ کو دیکھ کر رونا آ گیا ہم کو۔"

"وہ کیوں بھلا۔" حیرت کے ساتھ ساتھ

اس کے ہونٹوں پر ہنسی بھی آ گئی، انہوں نے دوبارہ بڑی محبت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا تو آنکھوں میں ایک بار پھر نمی سی اتر آئی۔

"ہماری ننھی سی گڑیا اب گھر سدھار جائے گی۔" بوا کی بات سن کر وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی چائے کی پیالی چھوٹ کر فرش پر گر کر دو ٹکڑے ہو گئی۔

"کیا کہہ رہی ہیں آپ۔" رنگت اس کی یکدم زرد ہو گئی دل جیسے گہرائیوں میں ڈوبنے لگا، کوئی زخمی پنچھی کھلے آسمان تلے تنہا بے آسرا ہو گیا۔

"آپ کی نسبت طے ہو گئی ہے، زمین جیسے پیروں تلے سے سرک گئی اپنا آپ اسے ڈولتا ہوا محسوس ہوا اس نے گرنے کے انداز میں مسہری کا سہارا لیا، یہ کیسے ہو سکتا ہے مجھ سے پوچھے بغیر۔" بڑے نواب صاحب کے وہ دوست جو اس دن گھر آئے تھے، وہ لندن والے انہوں نے ہماری بٹیا کا ہاتھ مانگا ہے۔

"بوا بڑی خوشی خوشی اسے اتنے اچھے رشتے کے متعلق بتا رہی تھیں، لڑکا ڈاکٹری پڑھ رہا ہے لندن میں رہتا ہے، اپنا ذاتی بنگلہ ہے اس کا لکھنو میں۔" عباس کا خیال کسی بجلی کی طرح کوندا تھا ذہن، وہ یا حیا آنکھیں اس کے آس پاس ہی منڈلانے لگیں، اشکوں کا ایک سیل رواں تھا جو آنکھوں سے باہر نکل آیا تھا۔

"لے رونے والی کیا بات ہے عورت کی قسمت میں یہ سب لکھا ہوتا ہے؟" بوا جیسے اسے حوصلہ دینے لگیں مگر اندر سے ان کا اپنا برا حال تھا۔

"مجھ سے کسی نے پوچھا بھی نہیں اور میرا رشتہ طے کر دیا۔" اس نے روتے روتے بوا کی طرف ایسے دیکھا جیسے سارا قصور انہی کا ہو۔

"بٹیا آپ کو اپنی خاندانی اقدار کا پتہ ہے پھر بھی ایسی باتیں سوچ رہی ہیں، کہاں رشتہ کرنا ہے اور کہاں نہیں یہ فیصلہ ماں باپ نے کرنا ہوتا ہے۔" وہ اسے سمجھانے لگیں۔

"میں نہیں مانتی ان باتوں کو گزر گیا وہ وقت جب ایسا ہوتا تھا میں ایک پڑھی لکھی لڑکی ہوں، میری رائے کو بھی اہمیت ملنی چاہیے۔" وہ اپنی آنکھیں رگڑتے ہوئے مسہری پر بیٹھ گئی تو اس کی بات سن کر بوا کے دل میں ٹھک سے کوئی چیز جا لگی۔

"رائے کو اہمیت؟ کیا مطلب ہے اس بات کا۔" وہ سوچنے لگیں مگر پھر انہوں نے خود ہی اس خیال کو جھٹک دیا۔

"ہمیں نہیں منظور یہ رشتہ۔" بوا نے جلدی سے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

"خاموش، دیواروں کے بھی کان ہیں، نواب صاحب تک بات چلی گئی تو قیامت آ جائے گی۔" بوا کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا ان کے سامنے اک دوسری شمیم آرا کھڑی تھی، خوف سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے، سلطنت کا یہ نڈر اور بے خوف انداز جیسے بہت کچھ باور کروا گیا ان پر، یہ چڑیا سا دل رکھنے والی لڑکی آج شیر کی طرح کیسے دھاڑنے لگی ہے، کچھ تو ہے۔

وہ روتے ہوئے مسہری میں لیٹ گئی تو بوا خاموشی سے اٹھ کر کمرے میں چلی آئیں۔

رات کو کھانے کی میز پر خلاف معمول نواب صاحب تشریف لا چکے تھے، سلطنت کو نہ پا کر انہوں نے بوا کو اندر بھیجا انہیں بلانے کے لئے۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" وہ ابھی بھی مسہری پر لیٹی ہوئی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"کیا بات ہے ہمیں نہیں بتائیں گی آپ؟" بوا پیار سے ان کا سر سہلانے لگیں تو سلطنت جس کے لئے بوا سے زیادہ ہمدرد انسان اس دنیا میں کوئی نہیں تھا ان سے لپٹ کر رونے لگی، وہ تو آگے ہی چاہ رہی تھی کہ کوئی تو ہو جس سے اپنے دل کی بات کہہ سکے۔

"ہم عباس کو اپنا سب کچھ مان چکے ہیں۔" وہی ہوا جس کا بوا کو ڈر تھا۔

"یہ عباس کون ہیں؟" بوا کے پوچھنے پر اس کی پانی سے بھری آنکھیں شرم سے نیچے کو جھک گئیں۔

"ہمارے ساتھ پڑھتے ہیں۔" پھر اس نے عباس کے بارے میں سب کچھ بتایا۔

"جو بھی ہے وہ لڑکا، مگر آپ کو اپنے ابا حضور کا پتہ ہے، وہ کبھی بھی ایسا نہیں چاہیں گے، وہ اپنے دوست کو زبان دے چکے ہیں۔"

"وہ زبان دے چکے ہیں اور میں دل دے چکی ہوں۔" سلطنت کو عباس کی محبت نے بے خوف کر دیا تھا، بوا تو اس کی باتوں سے بار بار کانپ رہی تھیں، یہ لڑکی جانے کیا کرے۔

"زبان کا تو مجھے پتہ نہیں لیکن دل واپس نہیں ہوتے۔" وہ نڈھال سی مسہری سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی بوا کو بتا کر جیسے اس کے دل کا بوجھ کچھ کم ہوا تھا۔

بوا کو باتوں باتوں میں یاد نہ رہا کو وہ تو نواب صاحب کے کہنے پر اسے کھانے پر بلانے اندر آئی ہے۔

"باہر نواب صاحب کھانے پہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں یہ بات بعد میں کرتے ہیں اور اس وقت آپ کو چلنا پڑے گا باہر۔" بوا کے تنبیہی انداز پر وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

☆☆☆

"آپ اپنے ابا حضور کو اچھی طرح جانتی ہیں۔" بوا ایک دفعہ پھر اسے سمجھانے کے لئے کمرے میں موجود تھیں لیکن اس کا بھی ایک ہی جواب تھا۔

"ہم ان سے بے انتہا محبت کرتے ہیں، کیسے روکیں خود کو، بولیں بوا کبھی دریا بھی آگے بڑھنے سے رکا ہے۔"

"ایک بات کہیں آپ سے ہم، دریا اور انسان میں بہت فرق ہوتا ہے، انسان کو خدا نے بہت سے اوصاف سے نوازا ہے، دل کو سمجھانا تو بہت معمولی بات ہے۔" بوا کی کوشش تھی کہ ابھی وقت ہے وہ سنبھل جائے۔

"نہیں بوا ہم نہیں مانتے اس بات کو، ہمارے لئے ہماری محبت معمولی بات نہیں ہے۔" وہ اپنے محاذ پر ڈٹی ہوئی تھی بوا کو لگا تھا کہ اس کو سمجھانا بہت مشکل ہے۔

☆☆☆

جوں جوں الیکشن قریب آرہا تھا سردی میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا تھا، شہر جلسے جلوسوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔

اور پھر وہ دن بھی آگیا جب مسلم لیگ واضح اکثریت کے ساتھ منظر عام پر آئی تو مسلمانان ہند کے اندر بھی اک سکون اترا اور انہوں نے جیت کر یہ ثابت کر دیا کہ ہم ایک الگ قوم تھے ہیں اور رہیں گے۔

جہاں پورے ملک میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی وہیں عباس کی زندگی کی کشتی بھنور کی طرف روانہ ہو چلی تھی، اماں نے خود اس سے خط میں واضح طور پر بتا دیا تھا اس لئے وہ خود اماں سے بات کرتے لاہور جا رہا تھا وہ فی الحال سلطنت کو کچھ بھی بتانا نہیں چاہتا تھا وہ اپنے تئیں معاملہ ٹھیک کرنا چاہ رہا تھا۔

لیکن اماں نے اس کی ایک بھی نہیں سنی تھی اس نے لاکھ سمجھانا چاہا مگر وہ نہیں مانی تو وہ ناراض ہو کر واپس لکھنو چلا آیا۔

یہاں آکر وہ سلطنت کے پیغام پر باغ میں چلا آیا جہاں وہ بے چینی سے اس کا انتظار کر رہی تھی، عباس حقیقی معنوں میں بہت پریشان تھا اماں نے جس انداز میں اس سے بات کی تھی اس نے اس کا دل توڑ دیا تھا اور دل، وہ تو یہاں آکر سلطنت کی بات سن کر مزید ڈوب گیا تھا۔

سلطنت نے نواب سعادت علی خان کے بیٹے کے رشتے کے متعلق بتایا تو وہ سر تھام کر رہ گیا، پریشانیاں جیسے ہر طرف سے سر جوڑے چلی آرہی تھیں، وہ کافی دیر وہاں خاموشی کے ساتھ بیٹھا رہا، سوچ کے نئے نئے زاویے سے اس کے ذہن میں بن رہے تھے، سلطنت کسی اور کی ہو جائے وہ خواب میں بھی سوچ نہیں سکتا تھا اور کوئی اس کی زندگی میں آئے وہ یہ برداشت نہیں کر سکتا تھا، ان دونوں گھروں کو کیسے روکا جا سکتا ہے۔

سلطنت عباس کو سب کچھ بتا کر جیسے شانت ہوگئی تھی اسے پتہ تھا کہ وہ کوئی نہ کوئی حل ضرور نکالیں گے، ہم نے جس کے ہاتھوں میں اپنی زندگی کی ڈور تھمائی ہے وہ بہت مضبوط ہے، ہمیں بے آسرا نہیں کرے گا اور اس کا سوچنا غلط نہیں تھا اس نے حل نکال ہی لیا تھا اس نے فیصلہ کیا تھا کہ دونوں گھر ایک ہی صورت میں شانت ہو سکتے ہیں اگر انہیں اپنی پڑھائی کی مجبوری بتا دی جائے، کہ جب تک ہم پڑھائی سے فارغ نہیں ہوتے ہمیں یہ رشتوں کی بات کر کے ڈسٹرب نہ کیا جائے۔

عباس کی یہ بات اس کے سمیت گھر والوں کو بھی پسند آگئی تھی اس لئے دونوں گھر پڑھائی سے فارغ ہونے تک خاموش ہو گئے تھے۔

کبھی وقت چیونٹی کی رفتار سے گزرتا محسوس ہوتا ہے اور کبھی پنچھی کی طرح پر لگا کر اڑ جاتا ہے، یونہی لگتا ہے جیسے سال دنوں میں کٹا گیا ہے اور ان کے ساتھ بھی تو ایسا ہی ہوا تھا، عباس اور سلطنت اس گزرے سال میں ایک دوسرے کے اور زیادہ نزدیک آگئے تھے، ساتھ جینے مرنے کے عہد و پیمان میں زیادہ مضبوطی آگئی تھی، سلطنت کو اکبری سے کوئی خوف نہیں تھا کیونکہ وہ اپنے عباس کو اچھی طرح جانتی تھی اس لئے اس نے کبھی مذاق میں بھی عباس کو اکبری کا طعنہ نہیں دیا تھا محبت کی پہلی شرط ہی بھروسہ ہوتی ہے، اعتماد ہوتا ہے۔

☆☆☆

مارچ 1947ء نئے وائسرائے (ماؤنٹ بیٹن) کی آمد کا مہینہ، اب سے ہندوستان ایک نئے راستے پر نکل کھڑا ہوا ہے اسے اب یقین ہو چلا ہے کہ آزادی اس کا مقدر بنے گی ماؤنٹ بیٹن جیسے انگریزی حکومت نے 1948ء تک کے لئے ہندوستان اس مقصد کے لئے بھیجا ہے تاکہ وہ ہندوستان کی حکومت کی ڈور ان لوگوں کے ہاتھوں میں تھمائیں جو سہی معنوں میں ہندوستان میں بسنے والی دو بڑی قوموں کو ان کے اصلی حقوق دے سکے، لیکن سیاست ایسی چیز ہے جو بڑوں بڑوں کی عقل کے آگے روڑے اٹکا دیتی ہے تاریخ کے ان نوئے سالوں کا اگر مطالعہ کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ انگریز قوم ہمیشہ چاپلوسی کرنے والوں کو اپنا دوست مانتی رہی ہے اور وہ لوگ جو اپنے مقصد کو زیادہ اہمیت دیتے تھے چاپلوسی کرنے کی بجائے، وہ ان کو ہمیشہ پیچھے ہی رکھتی تھی اور ماؤنٹ بیٹن وہ آدمی تھا جسے چاپلوسی کرنے والے لوگ بہت پسند تھے، یہاں سے (مارچ 1947ء) سے ہندوستانی تاریخ ایک

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

نیا موڑ مڑتی ہے اور تاریخ کے ساتھ ساتھ سلطنت اور عباس کی زندگی ایک دفعہ پھر پریشانیوں کی زد میں آتی ہے، وہ بات جس سے وہ ایک سال پہلے نبرد آزما ہوئے تھے وہ پھر ان کی زندگی میں گردش کرنے لگی تھی۔

"اس ملک کی تقسیم سے پہلے پہلے ابا حضور میری قسمت کا فیصلہ کر دینا چاہتے ہیں۔" خورشید جہاں کے گھر وہ آمنے سامنے تھے، عباس خاموشی سے اس کی باتیں سن رہا تھا، سلطنت کی اِدھر اُدھر بھٹکتی نظریں عباس کے چہرے پر جم گئیں، جہاں پریشانی کے آثار نمایاں تھے۔

"اس ملک کی قسمت کا فیصلہ اس ملک کی عوام کرے گی اور میری قسمت کا فیصلہ آپ کے ہاتھوں میں ہے عباس، میں کسی اور کے بارے میں سوچنا بھی دنیا لئے گناہ سمجھتی ہوں۔" اس کی کانچ کی طرح چمکتی آنکھیں پریشانی سے مدھم پڑ گئیں تھیں، عباس کو وہ بات کرتے ہوئے اپنے دل کے بہت قریب لگی تھی۔

"کیا میں ایسا سوچ سکتا ہوں تنو؟"

"یہی مان تو مجھے سنبھالے ہوئے ہے۔" اس نے محبت سے عباس کی طرف دیکھا جس پر اس کی اک چاہت بھری نظر سے اک سائبان سائن کیا تھا۔

"بھروسہ رکھو مجھ پر کچھ نہیں ہوگا، میں تمہارے ساتھ ہوں، وقت ضرور ہمارے حق میں سہی فیصلہ کرے گا۔" عباس کے دلاسوں سے اس کے اندر اک اطمینان سا اتر گیا تھا، لیکن اسکے دلاسے دیتے ہوئے وہ اندر سے کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا، کیسے کرے گا وہ یہ سب، گھر والوں کا پریشر جس طرح اس کا احاطہ کیے ہوئے تھا وہ اچھی طرح جانتا تھا۔

بجیا اس دفعہ خود فیض آباد سے لکھنو چلی آئیں تھیں۔

"تم تو اب شکل دکھانے سے بھی گئے۔" بجیا کے گلے پر وہ شرمندہ سا ہنس دیا، اکبری بجیا کی آؤ بھگت میں لگی ہوئی تھی، عباس خاموش سا سب کچھ نوٹ کر رہا تھا۔

بڑے سے کھلے آنگن میں تخت بچھ گئے تھے اپریل شروع ہو چکا تھا ٹھنڈ کے بعد گرمی پھر موسم کا حصہ بنتی جا رہی تھی، پھر بھی بجیا کی فرمائش پر نوابن چائے کے ساتھ پکوڑے تل رہی تھیں۔

شام پڑے تک گھر میں خوب رونق رہی، چھوٹے ماموں کے بیٹوں اور بجیا کے بچوں نے خاصا اودھم مچا رکھا، شام کا کھانا کھانے کے بعد وہ اپنے کمرے میں آیا تو بجیا بھی اس کے پیچھے پیچھے ہی چلی آئیں۔

"لاہور میں اماں سے جو تمہاری بات ہوئی تھی وہی پھر دہرا رہی ہوں۔" وہ تقریباً ایک مہینہ پہلے لاہور گیا تھا جہاں اماں نے دوبارہ وہ رشتے والی بات شروع کی تھی وہ وہاں انکار کر آیا تھا بجیا کی بات سے اسے یوں لگا جیسے اماں نے اسے خط میں سب کچھ بتا دیا ہے۔

"آپ کو سب خبر ہے تو آپ مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہیں۔"

"پتہ تو ہے مگر تمہارے منہ سے سننا چاہتی ہوں۔" بجیا بڑے غور سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھیں جہاں کچھ تو بدل گیا تھا جو ان کے لئے بالکل نیا اور پرایا پرایا سا تھا وہ تو وہاں اپنا وہی چھوٹا سا معصوم سا عباس دیکھنا چاہ رہی تھیں، جو اپنی بجیا کے بغیر دو قدم بھی نہیں چلتا تھا اب منہ پھیر کے کیسی بڑی بڑی باتیں کر رہا تھا۔

"میں اماں کو بڑے واضح لفظوں میں بتا کر آیا ہوں کہ میں اکبری سے شادی نہیں کر سکتا۔"

"یہی تو میں بھی پوچھنا چاہ رہی ہوں، وہ کون سی ڈائین ہے جس نے تمہارے ذہن میں خناس بھر دیا ہے، ناگن جو ڈس رہی ہے ہمیں۔" بجیا کے جوش پر اسے تاؤ سا آ گیا۔

"یہ کیسی گفتگو کر رہی ہیں آپ، کون ڈائن اور کون ناگن۔"

"وہی جو تمہیں اکبری کی طرف مائل نہیں ہونے دے رہی، کسی کے کہنے پر نہیں میرا دل ذاتی طور پر اس کی طرف مائل نہیں ہے میں اس سے محبت نہیں کرتا اور یہی بات آپ لوگوں کی سمجھ میں نہیں آ رہی۔" وہ یہ بات گھر والوں کو سمجھا سمجھا کر پاگل ہو چکا تھا پچھلے ڈیڑھ سال میں کوئی بیسیوں بار اس نے سب کو بتایا تھا۔

"تم اپنے دل کو اس کی طرف مائل کر کے تو دیکھو۔" بجیا اس کی بات سن کر نرم پڑ گئیں۔

"چوبیس گھنٹے تمہارے سامنے رہتی ہے وہ، مائل ہوتے کون سے دیر لگتی ہے۔" اس نے خفگی بھری بڑی نگاہ بجیا پر ڈالی تھی کیسے مشورے دے رہی تھیں وہ۔

اس نے اپنی طرف سے صاف انکار کر کے بات ختم کر دی تھی بات کو لمبا کرنے کا کوئی فائدہ ہی نہیں تھا، وہ جانتا تھا کہ اس کے گھر والے کبھی بھی نہیں مانیں گے، ان کے نزدیک ماموں نے اسے اتنی دیر اپنے پاس رکھا ہے اس کا سارا خرچا اپنے سر لیا ہے، پڑھائی لکھائی، احسان کا بدلا تو چکانا چاہیے، لیکن وہ اس بات کو نہیں مانتا تھا، یہ کیسا احسان ہے جس کا بدلا وہ اپنی خوشیاں برباد کر کے چکائے۔

بجیا کو اس نے صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ اگر آپ کے لئے زیادہ زور دے رہے ہیں کہ ماموں نے میرے اوپر اتنا پیسہ خرچ کیا ہے تو وہ مجھ سے جو چاہے لے سکتے ہیں مگر اکبری دینے کا خیال چھوڑ دیں۔

☆☆☆

بوا نے ایک بڑی گرما گرم خبر اس کے کان میں انڈیلی تھی جسے سن کر مانو اسے الیکٹرک شاک لگ گیا تھا، وہ اچھل کر پلنگ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"نواب سعادت علی اس ماہ میں اسے امام ضامن باندھنے آ رہے ہیں رشتہ پکا ہو چکا ہے۔" وہ بڑے بے یقینی کے سے انداز میں بوا کا منہ دیکھ رہی تھی۔

"نواب رجب علی صاحب کہ منہ سے میں یہ بات سن کر آ رہی ہوں۔" انہوں نے اسے یقین دلانا چاہا، اس کی آنکھوں سے تو ٹپ ٹپ آنسو نیچے گرنے لگے، رنگ ہلدی کی طرح زرد ہو گیا، بوا اس کے قریب چلی آئیں۔

"بٹیا یہ تو ہونا ہی تھا آپ کو بھی پتہ ہے آپ کی پڑھائی کی وجہ سے دیری ہو رہی تھی۔"

"مجھے نہیں کرنی یہ شادی، میں عباس کے بغیر کچھ بھی نہیں سوچ سکتی۔" وہ روتے ہوئے بوا کے گلے سے جا لگی، بوا اسے اپنے سینے سے لگائے پلنگ تک لے آئیں۔

"اس کا خیال دل سے نکال دو، میری چندا، نواب صاحب کی بھنک بھی لگ گئی تو وہ قیامت آئے گی جو دیکھی نہ ہوگی۔" بوا کی آنکھیں بھی نم ہو گئیں۔

"کیسے نکال دوں بوا، اپنا سب کچھ مان چکی ہوں میں اسے، آپ کچھ کریں بوا۔"

"نہیں بٹیا ہم تو آپ کے نوکر ہیں۔"

"آپ ابا حضور کو منع کر دیں، مجھے نہیں، بندھوانا امام ضامن، مولا میری مدد کیجئے۔" وہ دونوں ہاتھ بلند کر کے رو دی تو بوا سے اس کا رونا دیکھا نہ گیا۔

"نہ رو میری چندا، تیرا رونا مجھ سے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

برداشت نہیں ہوتا، تو تو مجھے اپنے بچوں کی طرح عزیز ہے، پر میں کیا کروں، یہ اس گھر کی عزت کا معاملہ ہے۔" وہ ان کی گود میں سر رکھے سسک رہی تھی، بوا کی اتنی اوقات کہاں تھی کہ وہ نوابوں کے معاملات میں مداخلت کرتیں، انہیں تو صرف گھر کے کام اور سلطنت کی نگرانی سونپی گئی تھی، وہ کیسے نواب صاحب کو اس رشتے سے انکار کا کہہ سکتی تھی، ورنہ سلطنت کے آنسوؤں پر سے وہ سب کچھ وار سکتی تھیں اس کی یہ خوشی تو چیز ہی کچھ نہیں تھی۔

سلطنت کی سسکیوں میں اضافہ ہی ہوتا رہا تھا، کیسے کیسے ارمان دل میں لئے وہ عباس کی دنیا میں شامل ہوئی تھی، اسے وہ ساری خوشیاں مل گی تھیں جو اس نے کبھی خواہش کی تھیں کیونکہ عباس ہی اس کی خواہش تھا اور خوشی تھا اور اب وہ کیسے اپنی خوشی کو چھوڑ سکتی تھی۔

آنسوؤں کی مالا سے کانچ سے آنسو ٹپ ٹپ گرتے بوا کے کرتے میں جذب ہو رہے تھے اور پھر سوچ کے نئے دور کھولتا ایک آنسو کا قطرہ جیسے اس کی نظروں کے سامنے فضا میں معلق ہو گیا، کانچ کے اس قطرے سے مختلف قسم کی روشنیاں نکل کر اس کی آنکھیں چندھیا گئیں، ذہن جیسے کسی اور ہی جانب نکل کھڑا ہوا، اس قطرے نے نکلتی روشنی میں جانے کیسے جادو تھا کہ وہ جدھر جدھر جا رہی تھی ذہن اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا اور پھر بھاگتے بھاگتے وہ اس کے پیچھے اک کھلے میدان میں چلا آیا جہاں اک چمکتا روشن سورج اسے اپنے بہت قریب محسوس ہوا اور وہ روشنی وہ الو ہی روشنی گھومتی چکر کاٹتی اس سورج کے اندر جذب ہو گئی، اس کا ذہن اس کھلے میدان میں ہر طرف تنہا تھا، سرسبز وادی میں جہاں دور بہتے جھرنوں کا شور تھا اس کے علاوہ مکمل خاموشی تھی ایسی خاموشی جیسے حرف دو پیار کرنے والے دل ہی محسوس کر سکتے ہیں، اس کا ذہن تنہا تھا لیکن حقیقت میں وہ تنہا نہیں تھا کوئی تھا جو اس کی پشت پر کھڑا تھا اور جس کے بازوؤں کے ہالے میں وہ دھیرے دھیرے قید ہو رہا تھا ایسی قید جس کی انسان خود خواہش کرتے۔

☆☆☆

زینو کا خط ہاتھ میں لئے اس کا دل چاہا وہ اپنا سر دیوار میں دے مارے، مجھ سے زیادہ عزیز ہے انہیں اکبری، اماں کی دھمکیاں پڑھ پڑھ کر اس کا دل جیسے زچ سا ہو گیا، اپنے کمرے میں پلنگ پر لیٹے وہ منہ پر تکیہ رکھے ہوئے تھا، سگریٹ کی آدھی سے زیادہ ڈبیہ ختم کر چکا تھا وہ ہر طرف کمرے میں سگریٹ کی بو پھیلی ہوئی تھی۔

اکبری دروازہ کھول کر اندر آ گئی کسی کی آہٹ سن کر اس نے تکیہ منہ سے پرے کیا تو اکبری پر نظر پڑی اس کا دل جل بھن گیا وہ چائے کا کپ ہاتھ میں لئے کھڑی تھی اس نے کپ میز پر رکھنے کو کہا تو ساتھ ہی ذہن میں اک خیال رینگا، کیوں نہ میں اسی سے بات کروں شاید یہ میرے دل کی حالت سمجھ جائے۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گیا، اس بات کے نتیجے میں ہونے والے سارے خدشات کو اس نے ایک طرف رکھ دیا کیونکہ اب پانی سر کے اوپر سے بہنے لگا تھا ہو سکتا ہے میں اس سے بات کروں تو یہ خود ہی اپنے گھر والوں کے سامنے اس رشتے سے انکار کر دے۔

وہ بھی چائے رکھنے کے بعد بغیر مقصد کے ہی وہاں کھڑی تھی اور عباس کے چہرے پر پھیلے تاثرات کو بہت غور سے دیکھ رہی تھی اس نے بھی آج تک چند رسمی باتوں کے اس سے کوئی بات نہ کی تھی اس لئے بڑی جھجک سی محسوس ہو رہی تھی مگر

اپنے پیار کی خاطر اسے یہ سب بھی کرنا تھا۔ وہ پلنگ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا، اکبری نجانے کیا سمجھتی لال گلال بنی ہوئی تھی اس نے گلا کھنکارا اور بڑی ہمت کر کے بولا۔

"مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔" یہ بات اٹک اٹک کر اس کے گلے سے نکلی تھی، اکبری کا تو دم نکلنے کو تھا انہیں مجھ سے کچھ کہنا ہے، اتنے سالوں میں کبھی اس نے اسے اتنے پاس آ کر بات نہیں کی تھی، یہ کیسا معجزہ ہو گیا، اس کا دل اچھل پچھل ہو رہا تھا وہ دوبارہ اپنی بات دہرانے لگا تو وہ دروازے کی طرف جلدی سے مڑ گئی اور وہاں جا کر بولی۔

"جو بات آپ کہنا چاہتے ہیں اس بات کو سننے کی مجھ میں سکت نہیں۔" عباس پر اک مسکراتی ہوئی نظر ڈال کر وہ باہر نکل گئی تو وہ ہونق سا بنا دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر دوبارہ پلنگ پر بیٹھ گیا۔

"یہ لڑکی اس بات کو کیا سمجھ بیٹھی ہے۔"

اس نے تو چاہا تھا کہ وہ اس کے دل کی حالت کو سمجھ لے گی لیکن اسے کیا پتہ تھا کہ وہ اسے مزید پریشان کر دے گی اس لڑکی نے اس بات کو دوسرے رنگ میں ہی لے لیا تھا۔

☆☆☆

"مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی سلطنت میں کیا کروں، میرے گھر والوں کا پریشر بڑھتا ہی جا رہا ہے۔" باغ میں وہ دونوں ساتھ ساتھ چل رہے تھے، سلطنت بھی آنکھوں میں پانی کی نمی لئے سب کچھ بتا رہی تھی۔

"نواب سعادت علی اسی ماہ امام ضامن باندھنے آ رہے ہیں۔" سلطنت کی بات پر عباس کے سینے پر جیسے پتھر سا آن گرا، چند لمحوں کے لئے وہ بالکل خاموش ہو گیا، چلتے چلتے قدم اپنے آپ رک گئے منوں بھاری وزن ہو چلا تھا ان کا۔

"آپ رک کیوں گئے۔" سلطنت کی آواز پر اس نے مڑ کر اسے دیکھا جو اک آس اور امید لئے اس کی جانب دیکھ رہی تھی اس کا دل سینے میں مچل گیا تھا، اس کا دل چاہا وہ آگے بڑھ کر اس خوبصورت سی لڑکی کے سارے دکھ درد اپنے نام کرے۔

"مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔" بات کرتے ہوئے اس کی گردن جھک گئی۔

"مجھے یہ بات کہتے ہوئے شرم تو آ رہی ہے، مگر اب اس بات کے بغیر گزارہ نہیں ہے وقت جس دوراہے پر ہمیں لے آیا ہے، وہاں اب فیصلہ بہت ضروری ہو چکا ہے۔" عباس بغور اسے دیکھتا اس کی بات سمجھنے کی کوشش کرنے لگا، سلطنت نے نظریں اوپر اٹھائیں جو عباس کی نظروں سے ٹکرا کر دوبارہ جھک گئیں۔

"آپ ہمیں غلط نہیں سمجھے گا عباس، ایسا ہم اس لئے کہہ رہے ہیں کہ ہمیں اس سے بہتر راہ نظر نہیں آ رہی۔" اور پھر وہ آنسو کا قطرہ جس نے اسے اک نئی راہ دکھائی وہ چمکتا ہوا عباس کی نظروں کے سامنے بھی لہرانے لگا۔

اچانک پڑنے والی چمک نے اس کی آنکھیں چندھیا دی تھیں وہ حیران سا کتنی دیر سلطنت کے چہرے کو دیکھتا رہا، اتنی بڑی بات اس کے ذہن میں کیسے آئی۔

"یہ کیسے ممکن ہے تنو، گھر والوں کی رضا مندی کے بغیر نکاح۔"

"تم نے سوچ بھی کیسے لیا۔" وہ ابھی تک حیران تھا۔

"اس کے بغیر ہمارا ملن ممکن نہیں ہے عباس، نہ آپ کے گھر والے مانیں گے نا میرے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

گھر والے۔" اس کی بات پر وہ بھی خاموش ہو گیا کہہ تو وہ ٹھیک رہی تھی دنیا اِدھر سے اُدھر ہو سکتی تھی مگر گھر والے کسی طور نہیں مانیں گے۔

"پھر بھی یہ راستہ غلط ہے، ہم کوشش کر رہے ہیں ایک نہ ایک دن شاید مان جائیں۔" عباس نے اپنے تئیں دونوں کو تسلی دینا چاہی ورنہ جانتا تو وہ بھی تھا اپنے گھر والوں کی ہٹ دھرمی۔

عباس کا جواب سن کر اس کا دل ٹوٹ گیا تھا کیونکہ قیامت سے پہلے قیامت آسکتی تھی مگر اس کے ابا حضور کا فیصلہ نہیں بدل سکتا تھا اس لئے دل برداشتہ سی وہ دکھی ہو کر رونے لگی۔

"عباس یہ وقت دوبارہ واپس نہیں آئے گا۔" آنکھوں کی قندیلوں میں چمکتا نمکین پانی گھر آکر بھی اس کے دماغ رپھوار کی طرح برستا رہا۔

"یہ وقت دوبارہ واپس نہیں آئے گا، ہاں نہیں آئے گا، کیا کروں میں۔" کمرے میں ادھر کے ادھر ٹہلتے اس کا ذہن مسلسل سوچوں کے شکنجے میں تھا جو اپنی شوریدہ لہروں کے ساتھ اسے بھی ادھر ادھر بہائے لئے جا رہا تھا، پہاڑ کی ایک چوٹی تھی جس پر وہ تنہا کھڑا تھا، کہاں جائے وہ، گھر والوں کو دیکھے یا اپنے دل کی سنے۔

اپنے دل کی نہ سنے تو پھر وہ پہاڑ کی چوٹی سے یوں گرے گا کہ اس کا نشان بھی مٹ جائے گا اور گھر والوں سے پوچھے بغیر وہ کیونکہ نکاح کر سکتا ہے، کبھی ادھر کبھی ادھر ذہن بھی فٹ بال بنا ہوا تھا، دو کشتیوں میں ایک ایک پاؤں رکھے وہ مسلسل ڈولنے کے عمل سے گزر رہا تھا۔

☆☆☆

مئی کے مہینے کا آغاز ہو چکا تھا گرمی ایک دفعہ پھر روح تک کو جھلسانے کے لئے تیار کھڑی تھی، وہ اپنے کمرے سے باہر برآمدے میں کرسی پر چپ چاپ بیٹھا ہوا تھا بظاہر وہ خاموش تھا مگر ذہن مسلسل حرکت میں تھا، رات کا سیاہ آنچل آسمان کے سینے پر سج چکا تھا ٹھنڈی ہوا ہولے ہولے سے کچھ گنگنا رہی تھیں ان سرگوشیاں وہ سن کر بھی سننا نہیں چاہ رہا تھا کیونکہ اس کا دل اندر سے دکھی ہو چکا تھا، سلطنت پانیوں سے بھری آنکھوں نے اسے بے چین رکھا تھا کبھی دل چاہتا کہ مان لوں اس کی بات نکاح کر لوں لیکن دوسرے ہی پل گھر کا سوچ زنجیر سی پاؤں میں آن پڑتی۔

وہ اپنی سوچوں میں گم تھا جب کسی کی قریب موجودگی پا کر اس نے آنکھیں کھول دیں۔

اکبری کا یہ نڈر سا انداز اسے چونکا گیا تھا دیکھنا بھی نظر بچا کر اور اب تنہا اس کے قریب جانا وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور بڑے غصے میں اس طرف دیکھا۔

"مجھے معلوم تو ہے کہ آپ نے مجھ سے کہنا تھا لیکن پھر بھی میں پوچھنے آئی ہوں کہ آپ نے اس دن کیا کہنا تھا۔" وہ بغیر شرمائے بڑے دھڑلے سے اس سے گویا تھی عباس تو اسکی ہمت پر سر تھام کر بیٹھ گیا، اگر ماموں اوپر آجائیں تو کیا سمجھیں وہ۔

"تمہیں یہاں اوپر نہیں آنا چاہیے تھا جاؤ نیچے۔" وہ ذرا تلخی سے بولا۔

"آپ کے ماموں اور ممانی گھر نہیں ہیں اس لئے۔" وہ لجا کر بولی تو وہ پریشان سا ادھر ادھر دیکھنے لگا کوئی اگر آجائے تو میری عزت مٹی میں مل جائے۔

"کوئی نہیں ہے پھر بھی نیچے چلی جاؤ، میں نے کہا ناں جاؤ۔" وہ اپنی بات کا اثر نہ ہوتا دیکھ کر دھاڑا تو وہ اس کے خطرناک تیور دیکھ کر واپس مڑ گئی۔

عباس ابھی تک حیرانگی کے سمندر میں غوطے کھا رہا تھا اس لڑکی کا یہ انداز، اگر ماموں کو پتہ چل جائے کہ وہ یوں بے دھڑک مجھ سے ملنے لگی ہے تو وہ مجھے بھی اتنا ہی قصوروار سمجھیں گے۔

وہ تو یہ سمجھ بیٹھی ہے کہ میں اس میں دلچسپی لینے لگا ہوں لیکن خدا گواہ ہے کہ میرے دل میں صرف سلطنت ہے۔

☆☆☆

"فیصلے کا یہی وقت ہے عباس، وقت گزر گیا تو کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔" سلطنت کی باتیں بار بار دل کے دروازے پر دستک دے رہی تھیں۔

دل جو پیار کا نگر ہے جس میں محبت اگر ایک بار آباد ہو جائے تو دنیا کی کوئی بھی طاقت اسے ختم نہیں کر سکتی معدوم نہیں کر سکتی، اس نے پیار کا یہ نگر بھی سلطنت کی محبت سے آباد ہو چکا تھا وہ خود کو لاکھ سمجھا بجھا کر کسی اور طرف لگاتا مگر ہر بار ناکامی اس کا مقدر بنتی۔

"وقت گزر جائے تو بات کی قیمت نہیں رہتی، کسی نے ٹھیک ہی کہا ہے، وقت گزر جائے تو پچھتاوے راتوں کی نیند چھین لیتے ہیں۔"

"بلاشبہ وقت تو یہی ہے، مگر بار بار یہ ماں کا خیال دامن سے لپٹ جاتا کہ اگر انہیں خبر ہو جائے تو ان کے دل پر کیا گزرے گی، لیکن اگر وقت گزر گیا تو میں سلطنت کو ہمیشہ کے لئے کھو دوں گا۔"

"نہیں میں ایسا نہیں ہونے دوں گا، سلطنت میری زندگی ہے، کوئی ایسی راہ نکلے جس سے میری پریشانی دور ہو جائے، میری خوشی میں میرے گھر والوں کو شامل ہونا پڑے گا۔" اپنے آپ سے باتیں کرتا وہ سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

"لیکن سارے گھر والوں کا جھکاؤ اکبری کی طرف ہے اماں کا جان سے پیارا بھائی..... وہ کیونکر مجھے یہ قدم اٹھانے دیں گے۔" سوچوں کے پے در پے واروں نے اسے چکرا دیا تھا وہ بے آسرا ہو کر برآمدے میں بچھے تخت پر بیٹھ گیا سوچیں یوں آپس میں گتھم گتھا تھیں گویا اسے جکڑ لیں گی خود میں، پسینے نے ساری شرٹ گیلی کر رکھی تھی مگر وہ اپنے آپ میں مگن موسموں کی بے رخی سے بے نیاز تھا۔

وہ اٹھ کر اندر آگیا، اسے کسی چیز کی طلب اندر سے آئی تھی شاید سگریٹ کی، پلنگ پر تکیے کے قریب رکھی سگرٹوں کی ڈبیا اٹھا کر وہ کھڑکی کے قریب آن کھڑا ہوا بے چینی سی تھی جو ایک جگہ بیٹھنے نہیں دے رہی تھی۔

سگریٹ سلگا کر اس نے ہونٹوں میں دبا لیا لیکن وہ طلب سگریٹ کی نہیں کوئی اور تھی، آدھ جلا سگریٹ بجھا کر اس نے راکھ دانی میں رکھ دیا وہ طلب پکار بن کر اس کے اردگرد گونج رہی تھی، وہ گیلی شرٹ کے بٹن کھول کر اسے اتارتا پلنگ پر بیٹھ گیا۔

وقت گزر جاتا ہے، اپنے پیچھے نشان چھوڑ جاتا ہے۔

"میں وہی کروں گا جو میرا دل چاہتا ہے، میں گزرے وقت کی کوئی نشانی بن کر زندہ نہیں رہنا چاہتا۔" وہ جیسے فیصلے کی پوزیشن میں آگیا تھا، ساری پریشانیوں کا حل اس نے ڈھونڈ لیا تھا۔

سفید بنیان کے اندر سے چھلکتی اس کی مردانہ وجاہت اس کی بھرپور مردانگی کی طرف اشارہ کر رہی تھی اور اس کی طرف بھی اشارہ کر رہی تھی کہ اگر ایک مرد کوئی فیصلہ کرے تو اسے پھر دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔

☆☆☆

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

مئی کا مہینہ آدھے سے زیادہ گزر چکا تھا جب وہ دونوں قانونی طور پر ایک دوسرے کی زندگیوں میں شامل ہوئے تھے، نکاح نامے پر سائن کرتے ہوئے سلطنت کے ہاتھ کانپ رہے تھے، عجیب سے احساسات کے ساتھ وہ دونوں اک دوسرے کو دیکھ رہے تھے، ان نظروں میں استحقاق کا ایک نیا رنگ شامل ہو چکا تھا، وہ خواب جو ابھی تک صرف خواب تھے حقیقت میں ڈھلتے نظر آرہے تھے۔

لکھنو کے گلی کوچے نئے نئے سے لگ رہے تھے کیا تھا کاغذ کے اس عام سے ٹکڑے میں کہ اک دوسرے کے علاوہ ہر چیز فاصلوں پر کھڑی نظر آرہی تھی۔

دونوں کے دلوں سے خدشے اور اندیشے وقتی طور پر پس پشت جا چکے تھے، وہ تھے اور ان کے گرد چلتی محبت کے رنگوں سے مہکی ہوا، جس نے انہیں مست کر دیا تھا اردگرد کی انہیں خبر ہی نہیں تھی، آنے والے وقت کا خوف دلوں سے زائل ہو چکا تھا (چاہے وہ وقتی تھا) نکاح کے بعد دونوں اپنے گھروں کو واپس چلے گئے تھے، آنکھوں میں سجے خواب ابھی خواب ہی تھے قانونی طور پر وہ میاں بیوی بن چکے تھے یہ رشتہ ابھی کاغذ ہی تھا، دو دلوں نے ابھی اس کی خوشبو کو محسوس نہیں کیا تھا۔

☆☆☆

"خاموش۔" بوا نے فرط جذبات سے ہلتے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

"دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔" غرارہ سنبھالتی وہ تیز تیز قدموں سے دروازے تک گئیں اور اک نظر دروازے کے باہر جھانکتی زور سے اسے بند کر کے اندر چلی آئیں۔

"اتنا بڑا قدم اٹھاتے ہوئے آپ نے سوچا کیوں نہیں۔" ان کی بوڑھی آنکھوں کے کنارے پانی سے نم ہو چکے تھے، وہ دونوں ہاتھوں کو آپس میں مسلتے ہوئے سلطنت کی جانب دیکھ رہی تھیں، سن کر ان پر تو جیسے کوئی آفت ٹوٹ پڑی تھی، وہ اس حویلی کی نوکر تھیں مگر ایسی جو اس حویلی کی عزت کو اپنی عزت سمجھتی تھیں۔

اس خاندان میں اس قسم کا یہ دوسرا واقعہ تھا شمیم آرا تو لوگوں کے ذہنوں سے پچیس سال ہوتے اتر چکی تھی، نواب رجب علی نے پلٹ کر کبھی اسے دیکھا تک نہ تھا، لیکن وہ اپنی جان سے پیاری بیٹی کا کیا کہے گا، بوا کا دل سوچ کر ہی دہل گیا۔

"بہت سوچ کر ہی یہ فیصلہ لیا ہے، ہمیں پتہ تھا کہ ہماری مرضی بالکل بھی ابا حضور کو نہیں بھائے گی، عباس ہماری زندگی ہیں، ان کے بغیر ہم نہیں رہ سکتے۔" وہ نظریں نیچے کیے بوا سے مخاطب تھی جو اس کی اتنی جرأت پر حیران و پریشان سانس روکے کھڑی تھیں۔

"عباس کی محبت آپ کے لئے اتنی اہم ہو گئی کہ باقی محبتیں آپ بھول گئیں، آپ نے سوچا تک نہیں کہ آپ کے اس قدم سے کتنے دل ٹوٹیں گے۔"

بوا اس کو شانوں سے پکڑے جھنجھوڑ کر بولیں، وہ خاموش رہی، اس کو یوں دیکھ کر ساتھ ہی بوا کا دل بھر آیا، بن ماں کی بچی، بوا ان اسے سینے سے لگا لیا۔

"آپ نے ہم کو تو بتایا ہوتا۔" سلطنت ان کے گلے سے لپٹی زور زور سے آنسو بہانے لگی، کوئی اس کے دل کو نہیں سمجھتا۔

"ہمیں پتہ تھا بوا آپ کبھی نہیں مانیں گی۔"

"نواب صاحب کو پتہ چلا تو جانے کیا ہوگا، ہمیں تو یہی سوچ سوچ کر ہول اٹھ رہا ہے۔"

"بوا عباس بہت اچھے ہیں۔" سلطنت خود کو بوا سے جدا کرتے ہوئے بولی تو عباس کا نام لینے پر اپنے آپ اس کی آنکھیں شرم سے جھک گئیں۔

"میری چند ابات اچھے یا برے کی نہیں ہو رہی ہم جانتے ہیں سب، لیکن اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا، ابا حضور کی ضد ہم اچھی طرح جانتے ہیں۔" وہ اپنی گالوں پر بہتے آنسو صاف کرتے ہوئے بوا سے رخ موڑ کر کھڑی ہو گئی۔

"ہمیں معلوم ہے کہ اگر ابا حضور کو پتہ چلا تو وہ ہمیں جان سے بھی مار سکتے ہیں لیکن جو زندگی عباس کے بغیر گزرے اس سے موت اچھی ہے۔" بوا کو اس کے اتنے نڈر انداز پر خوف سا محسوس ہوا۔

"اب جو ہو گیا ہے ہم اس سے پیچھے نہیں ہٹیں گے اور آپ کو اس میں ہمارا ساتھ دینا ہو گا۔" اس نے مڑ کر بوا کا چہرہ دیکھا جہاں تفکر کے آثار نمایاں تھے، وہ بہت آس کے ساتھ بوا کی جانب دیکھ رہی تھی جن کی پر سوچ آنکھیں جانے کیا سوچ رہی تھیں۔

☆☆☆

اپنے کمرے میں وہ دروازہ بند کر کے لیٹا تھا، نکاح کے بعد ابھی تک اس کی سلطنت سے کوئی بھی ملاقات نہیں ہوئی تھی، دل میں انگڑائیاں لیتے جذبات کو مشکل سے کنٹرول کیے ہوئے تھا، نکاح کے دو بولوں نے اس کی تو دنیا بھی بدل دی تھی پہلے بھی وہ اسے بہت عزیز تھی مگر اب تو حد سے بڑھ گئی تھی، اس کے حوالے سے دل میں جنم لیتے میٹھے میٹھے سے جذبات کتنا مزہ دے رہے تھے اسے سوچ کر ہی دل خوشی سے مچل رہا تھا، آنے والے وقت کے خوف سے بے نیاز وہ اپنے آپ میں مگن تھا جو ہوگا دیکھا جائے گا، وہ بھی سر پر کفن باندھ چکا تھا دروازے پر ہوتے والی دستک اسے سنائی نہیں دی تھی لیکن دوسری دستک پر وہ اٹھ کر بیٹھ گیا دروازے پر ماموں اور ممانی کو دیکھ کر وہ اپنے خیالوں کی اس حسین دنیا سے نکل کر حقیقت کی کڑی دنیا میں چلا گیا جہاں ہر طرف اپنے اپنے مطلب کو نکالنے کے لئے لوگ سو سو حیلے کر رہے تھے۔

"اتنی گرمی میں دروازہ کیوں بند کر رکھا ہے میاں۔" ماموں قدم اٹھاتے اندر چلے آئے تو وہ ان کی بات سن کر شرمندہ سا سر کھجانے لگا، ممانی بھی اس کے انداز پر ہنس دیں۔

"بہت گرمی ہے نوابن سے کہہ کر باہر تخت بچھوا لیتے۔" ممانی کی بات پر وہ خاموش ہی رہا اب وہ انہیں کیا بتاتا کہ موسموں کی ستم ظریفی محبت کرنے والے دلوں پر کوئی اثر نہیں ڈالتی، وہ دونوں قریب بچھی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

"کمرہ بڑا گندا ہو رہا ہے کیا نوابن نے یہاں کی صفائی نہیں کی۔" ماموں ممانی سے مخاطب ہوئے۔

"حالت سے تو یہی لگتا ہے وہ شاید نیچے مصروف رہی ہوگی۔"

"وہ مصروف تھی تو اکبری سے کہہ دیتیں، کتنا برا لگ رہا ہے، عباس میاں اس گند میں لیٹے کیا اچھے لگتے ہیں۔" وہ ماموں اور ممانی کی ایسی بے تکی باتیں سن کر حیران سا انہیں دیکھ رہا تھا، اسے لگا جیسے وہ کوئی اور بات کرنے کے لئے آئے ہیں اور یہ باتیں کر کے اس بات کے لئے راستہ بنا رہے ہیں۔

"کوئی بات نہیں ماموں جان، یہ میرا کمرہ ہے مجھے ایسے بھی اچھا لگتا ہے۔" وہ ہولے سے مسکرایا۔

"وہ تو ٹھیک ہے بیٹا کہ یہ کمرہ تمہارا ہے اور

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کمرہ سارا گھر ہی تمہارا ہے۔" ممانی کے دلار کو سمجھتا وہ مسکرا کر نظریں نیچی کر گیا، اس وقت وہ صرف مسکرا ہی سکتا تھا۔

"ہمارا کیا ہے بیٹا اکبری ہی ہمارے لئے سب کچھ ہے، تم دونوں ہی ہماری زندگیوں کا مقصد ہو۔" ممانی جان کے اتنے واضح اظہار پر وہ کرب سے آنکھیں موند گیا، اک لمحے کے لئے اسے ان دونوں پر ترس بھی آیا اپنی بیٹی کی نسبت سے وہ کتنی محبت کے ساتھ یہاں اوپر آتے تھے اور وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا کہ وہ اپنی محبت کے ہاتھوں مجبور تھا وہ محبت جو اب اس کی زندگی بن چکی تھی۔

"آپ دونوں نے ایسے ہی اوپر آنے کی زحمت کی مجھے بلا لیا ہوتا نیچے۔" اس نے بات پلٹی وہ مزید اس گرفت میں نہیں رہنا چاہتا تھا اس کے لئے اول و آخر سلطنت ہی تھی۔

"یہ تو یونہی بیٹھے بیٹھے کہنے لگے چلو عباس کے پاس چلتے ہیں، اکیلا گرمی میں کیا کر رہا ہے۔"

"ہاں واقعی اکیلے گرمی میں کیا کر رہے ہو چلو نیچے چلتے ہیں، سب مل کر بیٹھتے ہیں۔" ماموں تو بات کرتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے تو مجبوراً اسے بھی ان کی تقلید کرنا پڑی۔

☆☆☆

بڑے نواب صاحب کو دیکھ کر جانے اس کے دل کو کیا ہوا تھا، وہ تو باہر ہوا کھانے آئی تھی، وہ انہیں کرسی پر براجمان دیکھ کر واپس پلٹ گئی، آج کافی دن بعد وہ گھر پر نظر آئے تھے ورنہ جیسے ملکی حالات جا رہے تھے ان کا زیادہ وقت انہی پارٹی کے ساتھ ہی گزرتا تھا۔

دل پر جیسے کوئی بوجھ سا بیٹھ گیا تھا اسے لگا جیسے اس سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہے، اتنی محبت کرنے والا باپ کیا سہہ پائے گا اس بات کو، وہ مسہری پر بیٹھ گئی اور گھٹنوں میں منہ چھپا لیا۔

"کوئی اور راستہ بھی تو نہیں چھوڑا تھا ہمارے لئے، ہم بھی کیا کرتے۔"

"بجیا آپ کو بڑے نواب صاحب باہر یاد فرما رہے ہیں۔" حسنی کی آواز سن کر وہ چونک پڑی۔

"باہر ہیں، جلدی آ جائیں انہیں کہیں جانا ہے۔" وہ نواب صاحب کا پیغام دے کر واپس پلٹ گئی تو وہ خوف زدہ اور شرمندہ ہوتے دل کے ساتھ باہر نکل آئی، آگے نواب صاحب اپنی ازلی آن بان کے ساتھ براجمان تھے، کیا یہ آن بان میری وجہ سے مٹی میں مل جائے گی، وہ دکھ کے ساتھ اپنے ہونٹ کاٹنے لگی۔

"آؤ یہاں، ادھر میرے پاس۔" انہوں نے اپنے ساتھ والی کرسی کی طرف اشارہ کیا تو وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ان کے قریب چلی آئی۔

"آداب ابا حضور۔" وہ ان کے قریب بیٹھ گئی، قریب ہی دادی حضور اور بوا بھی موجود تھیں۔

"ہمیں ذرا جلدی ہے، تمہیں کچھ بتانا تھا، آپ کی بڑی پھوپھی جان جہاں آرا کی بیٹی کی شادی لئے ہم جا نہیں سکتے ہماری مجبوری آپ سمجھتی ہیں، اس لئے آپ بوا کے ساتھ ڈھاکہ تشریف لے جائیے، ٹکٹ کا انتظام ہم نے کر دیا ہے آپ بس تیاری کریں۔"

ابا حضور کی بات پر وہ خاموشی سے سر نیچا کر گئی، جانے کو اس کا ذرا بھی من نہیں تھا لیکن ان کے فیصلے کے آگے کون بول سکتا تھا۔

☆☆☆

"ہمارا دل نہیں چاہ رہا جانے کو اتنی دور۔"

وہ کمرے میں آتی بوا کے کندھے پر سر رکھے رونے لگی۔

"آپ کے ابا حضور کا حکم ہے چندا، ماننا تو پڑے گا۔" وہ پیار سے اس کے بالوں کو سہلانے لگیں۔

"بوا آج ابا حضور کے سامنے میرا دل بھر آیا، پتہ نہیں کیوں مجھے لگا جیسے....." وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"غلطی تو ہوئی ہے بٹیا۔"

"نہیں بوا، میری محبت غلطی نہیں ہے۔" وہ اپنے فیصلے کے دفاع میں کھڑی ہو گئی۔

"عباس کو نہ پا سکنا شاید میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی ہو جاتی۔"

"اب جو ہوا سو ہوا، ٹھیک وقت دیکھ کر نواب صاحب کو سب کچھ بتا دو۔" بوا کے مشورے پر وہ بدک گئی۔

"تاکہ وہ میرا جنازہ نکال دیں۔" وہ حیران سی بوا کو دیکھ رہی تھی کہ انہوں نے کیسا مشورہ دیا ہے۔

"آپ بھی کمال کرتی ہیں بوا۔"

"بتائیں گی نہیں تو کیا کریں گی، دوسرا کوئی ہے راستہ؟" بوا کی بات سن کر وہ خاموش ہو گئی۔

"راستہ تو کوئی نہیں ہے، عباس سے بات کرتی ہوں اور ساتھ یہ بھی بتاتی ہوں کہ ابا حضور ہمیں ڈھاکہ بھیج رہے ہیں اور وہ اس ضمن میں کیا کہتا ہے۔" کیونکہ اب وہ اس کے حرم میں تھی اس کی اجازت کے بغیر کہیں نہیں آ جا سکتی تھی۔

☆☆☆

خورشید کے ذریعے اس نے عباس کو پیغام بھجوانا تھا اس لئے وہ ڈرائیور کے ساتھ اس کے ہاں آئی تھی، لال رنگ کا شرارہ پہنے وہ غضب ڈھا رہی تھی۔

"روپ تو تم پر پہلے ہی عاشق تھا اب تو سونے پر سہاگہ ہو گیا، نکاح کے دو بولوں نے تو دنیا ہی تمہاری بدل دی، بڑی حسین لگ رہی ہو، قسم سے۔" خورشید تو واری واری جا رہی تھی۔

"ہم کہاں حسین ہیں سب تو ان کی محبت کا اعجاز ہے، وہ ہمیں جب اک نظر دیکھ لیتے ہیں ہماری زندگی کے دیئے میں تیل پڑ جاتا ہے، ہماری آنکھیں ان کی دی محبت سے روشن ہیں، یہ ہونٹ اسی کی دی ہنسی سے ہنستے ہیں، یہ گال اس کی چاہت سے گلابی ہوتے ہیں، اب بولو مجھ میں کیا ہے، یہ سب انہی کا دیا ہوا ہے۔" وہ بڑے انداز میں خورشید کے ہاتھ کو مضبوطی سے تھامے بول رہی تھی گویا وہ ہاتھ عباس کا ہو۔

"ہمارے پاس میرا کچھ بھی نہیں ہے سب ہمارے عباس کا دیا ہوا ہے ہمارے عباس کا۔" وہ تو اس کا ہاتھ چھوڑے اک وجد کی کیفیت میں پلنگ پر دراز ہو گئی اور آنکھیں موند لیں جیسے وہ اس کے پاس ہو بہت پاس، خورشید پاؤں پلنگ سے نیچے لٹکاتے اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی جو سچی خوشی سے روشن تھا، اس کی آنکھیں بند تھیں لیکن وہ جانتی تھی کہ ان بند آنکھوں کے پیچھے کون سا چہرہ ہے جو ان کی معصومیت کو چوم رہا ہے اپنا استحقاق ظاہر کر رہا ہے۔

"برا نہ مناؤں تو ایک بات پوچھوں۔" خورشید کی آواز پر اس نے ایسے بند آنکھیں کھولیں، جیسے کوئی پیاسا پیاس بجھانے کی غرض سے کنویں کے پاس جاتے اور بغیر پیاس بجھائے کوئی اسے وہاں سے بلا لے۔

"تمہارا یہ قدم کیا قیامت نہ لائے گا گھر میں۔" خورشید کی آنکھوں میں ڈولتے وسوسے نے اسے اٹھ کر بیٹھنے پر مجبور کر دیا لیکن آج کل وہ جن ہواؤں میں اڑ رہی تھی انہوں نے بہت جلد

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

اسے سنبھالا دے دیا۔

''وہ قیامت جو یہ قدم نہ اٹھانے پر ہماری زندگی میں آئی تھی یہ اس سے کہیں کم ہوگئی، ہم اب ہر قیامت کو سہنے کے لئے تیار ہیں۔'' وہ خورشید کے سامنے خود کو بڑا مضبوط ظاہر کر رہی تھی۔

''وقت آنے پر ابا حضور کو سب کچھ خود ہی بتا دیں گے، ہو سکتا ہے وہ مان جائیں کیونکہ وہ مسلمان ہیں سید زادے ہیں اور ویسے بھی یہ باتیں پرانی ہو چکی ہیں زمانہ بدل رہا ہے اور بدلتے موسموں میں ہمیں اتنی چھوٹ تو ہونی چاہیے۔''

''زمانہ جتنا مرضی بدل جائے مگر ماں باپ، رسم و رواج وہی رہتے ہیں، وہ کبھی بھی ہمیں اپنی من مانی کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔''

خورشید کی بات پر اس نے سر نیچے کر لیا تھا کہہ تو ٹھیک رہی تھی، اپنے فیصلے کے حق اور دفاع میں وہ بول تو رہی تھی لیکن اندر سے وہ خود بھی سب جانتی تھی۔

''وسوسے ہمیں بھی گھیر لیتے ہیں ہم بھی پریشان ہو جاتے ہیں، مگر ہم کیا کریں، تم ہی بتاؤ کیا ابا حضور مانتے۔''

''پتہ نہیں سلطنت تمہاری طرف سے مجھے ایک دھڑکا سا لگا رہتا ہے، اس فیصلے کا تو اب وقت ہی بتائے گا کہ ٹھیک ہے یا......'' اس نے جملہ درمیان میں ہی چھوڑ دیا۔

''تمہارے پاس ہم اپنی خوشی بانٹنے آئے تھے اور تم الٹا ہمیں ہی پریشان کر رہی ہو۔'' وہ منہ پھلا کر دوبارہ لیٹ گئی تو خورشید اپنی پیاری سی نواب زادی کے ناراض ہو جانے کے خدشے سے اسے منانے کے لئے اس کے ساتھ لیٹ گئی۔

گھر آ کر بھی سلطنت کا ذہن خورشید کے آخری جملے میں الجھا رہا۔

الجھی سوچوں کے تار لئے وہ یونہی غیر ارادی طور پر دادی حضور کے کمرے میں چلی آئی، جہاں وہ بخار کی حالت میں اپنی مسہری میں لیٹی ہوئی تھیں، کھڑکی کھلی ہوئی تھی جس سے ہوا کے گرم جھونکے اندر آ رہے تھے، وہ دبے پاؤں اندر آئی تھی اس لئے انہیں خبر نہ ہوئی پردے ہوا سے ہل رہے تھے، وہ مسہری کے قریب آن کھڑی ہوئی، ذہن کہیں اور تھا اور وجود کہیں اور خالی خالی نظروں سے وہ انہیں دیکھتی واپس مڑ آئی، چھوٹے نواب پورے ایک ماہ سے دلی میں تھے، سال کے ایک دو ماہ وہ دلی کی ناچنے والی سلطانہ بائی کے ساتھ گزارتے تھے، اسے اس بات کا علم نہیں تھا وہ تو یونہی ایک دن بوا کے منہ سے پھسل گیا تھا، بعد میں وہ اس سے منتیں کرتی رہی تھی کہ کسی سے اس بات کا ذکر نہ کرے، ورنہ نواب صاحب میری گردن کاٹ ڈالیں گے۔

☆☆☆

عباس نے اسے اپنی پسندیدہ جگہ پر بلایا تھا، یہ ایسی جگہ تھی جب بھی اس کا دل پریشان ہوتا وہ یہاں چلا آتا، روح کے قریب یہ جگہ اسے اپنے روحانی آنچل میں ڈھانپ لیتی اسے وہی سکون محسوس ہوتا مرثیے کو بام عروج پر پہنچانے والے میر ببر علی انیس کا مزار ہمیشہ کی طرح اپنے پاس آنے والوں کو وہ سکون مہیا کر رہا تھا جس کی تلاش میں وہ وہاں آتے تھے۔

شام کا وقت تھا مزار پر معمول کے مطابق لوگ جمع تھے، کچھ لوگ سوز کے ساتھ مرثیہ پڑھ رہے تھے سلطنت نے خود کو بڑی سی کالی چادر کے اندر ڈھانپ رکھا تھا اس کے باوجود عباس نے اسے دور سے ہی پہچان لیا اور محبت کی یہ ایسی

منزل ہوتی ہے جہاں چہرے کوئی اہمیت نہیں رکھتے روح سے روح کا لنک ہو جاتا ہے بن دیکھے بھی محبوب اپنے محبوب کو پہچان سکتا ہے، اس کیفیت تک پہنچنے کے لئے کڑے راستوں سے گزرنا پڑتا ہے۔

سلطنت کی نظروں نے بھی اسے کھوج لیا تھا پینٹ شرٹ میں ملبوس وہ شرٹ کے بازو دو پہر کو فولڈ کیے ہوئے تھا شاید اسے گرمی لگ رہی تھی وہ دو تین لوگوں کو پیچھے دھکیلتا تیزی سے اس طرف لپکا لیکن اس کے ساتھ کھڑے نسوانی وجود کو دیکھ کر تھوڑے فاصلے پر ہی رک گیا، بوا نے آج اس کے ساتھ آنے کی ضد کی تھی اور وہ چاہ کر بھی انہیں منع نہ کر سکی کہ وہ کہیں اس بات کا غلط مطلب نہ نکال لیں۔

وہ خود اس کے قریب چلی آئی اور پھر عباس کی ہچکچاہٹ کو محسوس کرتے ہوئے اس نے بتایا کہ یہ میری بوا ہیں عباس ان کی موجودگی میں بہت سنبھل سنبھل کر بات کر رہا تھا۔

بوا مبہوت سی اسے دیکھے جا رہی تھیں، سلطنت کے انتخاب نے انہیں چونکا دیا تھا، نوابوں سے زیادہ حسین، ان سے زیادہ باحیا، کسی چیز کی کمی نہیں تھی اس میں، وہ تو دل ہی دل میں اس کی نظر اتار رہی تھیں، سلطنت نے بھی داد طلب نظروں سے بوا کو دیکھا جو عباس کو دیکھے جا رہی تھیں۔

سلطنت کے ساتھ کھڑا وہ کتنا جچ رہا تھا، چاند سورج کی جوڑی تھی جو آج میر انیس کے مزار پر اتری تھی، آج بوا کے دل سے سارے واہم جاتے رہے تھے، جو ہوا شاید وہ اچھے کے لئے ہی ہوا ہے، ایسا لڑکا تو قسمت والوں کا داماد بنتا ہے۔

وہ نظریں نیچی کیے ہوں، ہاں میں ہی جواب دے رہا تھا، بوا اس کے اتنے سنبھل سنبھل کر بولنے کو محسوس کر رہی تھیں، اس لئے وہ انہیں اکیلا چھوڑ کر مزار کے اندر چلی گئیں۔

''کیوں کس لئے۔'' عباس نے یہ بات اتنے استحقاق کے ساتھ کہی تھی کہ سلطنت کو اس کے انداز پر بے اختیار پیار آ گیا۔

''ابا حضور کا حکم ہے۔'' وہ بھی اسے مزید ستا کر ستا رہی تھی۔

''پندرہ بیس دن لگ جائیں۔''

''پندرہ دن تو کیا ایک دن بھی نہیں، میری بیوی آپ، نکاح ہوا ہے ہمارا، میری اجازت کے بغیر آپ کہیں نہیں آ جا سکتیں۔'' وہ اپنا پھر پورا استحقاق ظاہر کر رہا تھا اور سلطنت واری واری جا رہی تھی اس کی محبت پر سے۔

''یہ جو آپ کا چودھویں کے چاند سا چہرہ ہے ناں، یہ ہماری امانت ہے کسی غلط نظر کو بھی برداشت نہیں کروں گا میں، اپنے ابا حضور کو کہہ دیجئے گا ڈھاکہ کسی اور کو بھیج دیں۔''

''تو ٹھیک ہے آپ اپنے سسر صاحب کو خود ہی کہہ دیں آ کر، ہم میں تو ہمت نہیں ہے ان کے آگے بولنے کی۔''

''میری جرأت کو نہ آزمائیں، کسی دن گھر آ جاؤں گا آپ کے۔'' عباس کا والہانہ انداز دیکھنے کے قابل تھا۔

نکاح کے بعد یہ ان کی پہلی ملاقات تھی اور عباس جس انداز میں اس سے بات کر رہا تھا وہ سلطنت کے لئے بالکل نیا تھا وہ اس سے باتیں سلطنت سمجھ کر نہیں اپنی منکوحہ سمجھ کر کر رہا تھا۔

''وہ دن کب آئے گا۔'' سلطنت نے بڑی حسرت سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''کاش ایسا ہو جائے کہ سورج مشرق کی بجائے مغرب سے نکل آئے۔'' وہ دونوں اک

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

لونے میں کھڑے تھے جہاں برائے نام ہی لوگ تھے، بوا اندر ہی تھیں۔

"وہ دن کب آئے گا عباس، کاش ایسا ہو جائے۔" سلطنت کے چہرے پر یکدم رات کا سیاہ آنچل لہرا گیا تو عباس جو تھوڑی دیر پہلے سلطنت سے مستی کر رہا تھا وہ سب بھولے تحمل کر اس کے قریب ہو گیا۔

"آثار تو نظر نہیں آتے مگر چلو اچھا سوچنے میں کیا حرج ہے۔" عباس ہولے سے مسکرایا جیسے جان بوجھ کر نوابوں کی فطرت سے وہ اچھی طرح واقف تھا کسی اور کو اپنے مقابلے پر لانا ان کے لئے موت کے برابر تھا۔

سلطنت کی آنکھیں نمکین پانیوں کے بوجھ سے نیچے کو جھکی جا رہی تھیں، عباس کے اندر ہلچل سی ہونے لگی، اپنی سلطنت کی آنکھوں میں آنسو وہ کبھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

"یہ وسوسے ہمیں جینے نہیں دے رہے عباس۔" پانی جھلک کر آنکھوں سے باہر آ گیا اور عباس کا دل ان پانیوں کی گہرائی میں ڈوبنے ابھرنے لگا، ان آنکھوں میں پانی اسے اپنی موت لگ رہے تھے، اس کے رونے سے ماحول یکدم سوگوار ہو گیا تھا۔

"اچھا بابا یہ رونا دھونا بند کرو اور میری طرف سے اجازت ہے ڈھاکہ جانے کی۔" عباس کی بات پر ناچاہتے ہوئے بھی سلطنت کی بھیگی آنکھوں میں ہنسی مچل اٹھی۔

"آپ کے کہنے کا یہ مقصد ہے کہ میں ڈھاکہ جانے کے لئے رو رہی ہوں۔"

"اور نہیں تو کیا بہانے بہانے سے رو کر مجھے بتا رہی ہو۔"

"آپ بھی نہ عباس....." وہ ہنستے ہوئے گالوں پر آئے آنسو صاف کرنے لگی، ہنستی ہوئی سلطنت کتنی خوبصورت لگتی ہے، عباس نے بڑی گہری نظروں سے اسے دیکھا تو دل کے اندر کئی جذبات انگڑائی لے کر رہ گئے۔

"آپ کے بغیر یہ پندرہ بیس دن کیسے گزریں گے یہ ہم ہی جانتے ہیں۔" اس نے پلکیں اوپر اٹھائیں جہاں ابھی تک نمی پھیلی ہوئی تھی، رونے سے کاجل آنکھوں کے گرد ہلکے سے پھیل گیا تھا۔

"ساری مستی شراب کی سی ہے۔" عباس کے ہونٹ ہولے سے ہلے تھے، سلطنت تو ان کے اتنے والہانہ انداز پر حیران سی اپنے آپ میں سمٹ گئی حیا سے، اتنے سالوں میں آج پہلی دفعہ عباس نے اس کی تعریف شعر کہہ کی تھی وہ تو بہت ناپ تول کر بات کرتے تھے، جیسے بولنے سے پہلے دس بار سوچتے ہوں سلطنت کو ان کا یہ بدلا ڈ سمجھ میں آ رہا تھا اور دل و جان سے پسند بھی آیا تھا۔

عباس نے سگریٹ سلگا کر ہونٹوں میں دبا لیا تھا اور بڑے شریر سے انداز میں وہ اسے دیکھ رہا تھا جو آنکھوں میں ان مٹ خوشی اور چمک لئے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو، کیا شعر پسند نہیں آیا۔" سگریٹ کے دھویں کو اک طرف منہ سے خارج کرتے ہوئے اس نے سلطنت کی طرف دوبارہ روخ موڑا۔

"آپ ایسے تو نہیں تھے، اچانک یوں، یہ شعر، یہ اندازہ۔" وہ ہولے سے گویا ہوئی کیونکہ قریب سے چند لوگ گزر رہے تھے، اس نے چہرہ ڈھانپ لیا۔

"پہلے والے عباس میں اور اب والے عباس میں بہت فرق ہے، اب آپ میری محبوبہ ہی نہیں میری زندگی کی مالک بھی ہیں، شریک سفر

ہیں اور اپنی شریک حیات کی میں جس طرح مرضی تعریف کروں۔" عباس نے آدھ جلا سگریٹ بجھا کر نیچے پھینک دیا اور ہولے سے آگے بڑھ کر سلطنت کا ہاتھ پکڑ لیا تو اس کے اندر جیسے بجلیاں سی دوڑ گئیں، سانسیں جیسے ہواؤں کی سپرد ہو گئی تھیں پکڑ میں نہیں آ رہی تھیں، وہ چاہ کر بھی اس سے اپنا ہاتھ نہ چھڑا سکی۔

"ہم مر جائیں گے عباس۔" اس نے اس کی حالت دیکھتے ہوئے مسکرا کر ہاتھ چھوڑ دیا تو سلطنت نے جلدی سے دینا ہاتھ چادر کے اندر کر لیا تو اس کے ایسا کرنے پر عباس بڑے معنی خیز انداز میں ہنسا تھا۔

☆☆☆

ڈھاکہ جانے کے لئے تیار ہو رہی تھی سارا سامان پیک ہو چکا تھا، بوا اور دو ملازم اور تھے بوا تو اس سے عباس کی تعریفیں کرتی نہیں تھک رہی تھیں، انہیں عباس بہت پسند آیا تھا، نواب رجب علی کا داماد کسی ایسے ہی مرد کو ہونا چاہیے تھا، نواب سعادت علی کا بیٹا انہیں پسند نہیں تھا اور ساتھ انہوں نے سلطنت کو ایک خوشی کی خبر اور سنائی تھی کہ نواب سعادت علی کسی کام سے ولائیت گئے ہیں امام ضامن والا چکر لیٹ ہو گیا ہے، سلطنت نے سن کر شکر کا کلمہ ادا کیا تھا۔

بوا کمرے سے باہر گئیں تو بیٹھے بیٹھے جانے کہاں سے یہ خیال اس کے ذہن میں کوندا، بوا دوبارہ کمرے میں آئیں تو ان کے قریب چلی آئی۔

"کیا ایسا ہو سکتا ہے بوا کے عباس بھی ہمارے ساتھ ڈھاکہ چلیں۔" اس کی بات سن کر بوا کے ماتھے پر تیوریوں کا انبار سا لگ گیا۔

"اپنے ابا کو آپ اچھی طرح جانتی ہیں، آپ کے یہ تقاضے ہماری سمجھ سے باہر ہیں۔"

لیکن سلطنت کو کہاں پروا کی ان تیوریوں کی، جتنی مرضی اہم سہی ہے تو ان کی ایک ملازمہ ہی۔

"ہمیں نہیں پتہ، ہم نہیں رہ سکتے اتنے دن ان کے بنا۔"

بوا کو اس کی بالکل بھی سمجھ نہیں آ رہی تھی، وہ ڈھاکہ کیسے لے جا سکتیں تھیں، اک غیر مرد کو کیسے رکھیں گی وہ انہیں وہاں، بوا نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی تو وہ جلد سے بولی۔

"آپ اپنا کوئی عزیز انہیں بتا دیجئے گا، پھپھو کچھ نہیں کہیں گی مان جائیے نہ بوا۔" سارے جواب تو اس کے پاس کھڑے ہوئے تھے۔

نواب صاحب کا سوچ کر بوا کو جھرجھری سی آ گئی لیکن وہ تو کسی طور ماننے میں نہیں آ رہی تھی اس لئے وہ خاموش ہو گئیں۔

لیکن عباس کے ساتھ بات کرنے پر پتہ چلا کہ وہ لاہور جا رہا ہے کیونکہ وہ اپنے گھر والوں کو راضی کر کے انہیں سب کچھ بتا دے گا ہاں سلطنت کی خوشی کی خاطر وہ ایک دو روز کے لئے لاہور سے واپسی پر ڈھاکہ چلا آئے گا۔

سلطنت کے لئے یہی بہت تھا کہ اس کے آنے کی آس لئے وہ ڈھاکہ کے لئے روانہ ہو جائے۔

☆☆☆

ہرے بھرے باغات کے درمیان وسیع رقبے پر پھیلا وہ قلعہ نما بنگلہ کسی مہاراجہ کی رہائش گاہ لگ رہا تھا، دور سے دیکھ کر اسے یوں لگ رہا تھا جیسے سبزے سے بھرے تالاب کے بیچ خشکی کا کوئی بڑا سا ٹکڑہ رکھ چھوڑا ہے، جب جب بارش اس سبزے کو تر کرتی تو وہ بنگلہ بھیگ کر اور بھی حسین لگتا، ایسے لگتا جیسے دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی اور حسین منظر ہو ہی نہیں سکتا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

پیتیوں کے باغات میں کام کرنے والی سانولی سلونی عورتیں اپنی کمر پر لکڑی کی ٹوکریاں اٹھائے رشک بھری نگاہ سے انہیں دیکھتیں اور سوچتیں کہ اس گھر میں بسنے والے انسان ہیں یا آسمان سے اتری ہوئی کوئی مخلوق۔

یہ بنگلہ 1924ء میں پھپھو جہاں آرا کے سسر نواب ناصر جہاں نے بنوایا تھا، بنیادی طور پر وہ علی گڑھ یوپی کے رہنے والے تھے مگر ان کا چائے کا کاروبار تھا بنگال میں ہو وہ علی گڑھ چھوڑ اپنے کاروبار کی وجہ سے سلہٹ میں آن بسے۔

بنگالی طرز کے اس خوبصورت بنگلے کی ایک ایک جگہ دیکھنے کے قابل تھی۔

باہر دروازے سے اندر آتی بڑی کشادہ بجری کی سڑک گیراج تک جاتی تھی جہاں دو تین گاڑیاں کھڑی تھیں، اسی سڑک کے ساتھ ساتھ خوبصورت سبز باڑ اپنی طرف آنے والوں کو خوش آمدید کہتی۔

اندر داخل ہونے پر ایک بڑا سا ہال کمرہ جو مردان خانہ کہلاتا تھا دنیا کی تمام آسائشوں سے مزین، بہترین صوفے، میز، کھڑکیوں کے آگے خوش نما پردے جب اندر آتی ہوا کے ساتھ چھوتے تو نا چاہتے ہوئے بھی دل کے اندر اک خوش نما سا احساس انگڑائی لینے لگتا، اس گھر کے مکین جن میں پھوپھی جہاں آرا کی دو بہویں اس کے تین بچے دو بیٹیاں اور جب اس گھر کی عورتیں جارجٹ کی ساڑھیاں پہن کر گھر کے ملازموں کے سامنے پھرتی تو غریب ترسی ہوئی نگاہوں کا دل ڈول ڈول جاتا، جہاں غریب لوگ دو وقت کی روٹی بھی اتنی مشقتوں کے بعد کھاتے تھے وہاں ایسی شاہانہ زندگی کسی خواب سے کم نہ تھی۔

سلہٹ بنگال کا ایک خوبصورت اور سرسبز شہر جو اپنی چائے کی وجہ سے دنیا بھر میں مشہور ہے، جہاں کی ہریالی اپنی طرف آنے والوں کو اپنے سینے سے لگا لیتی ہے۔

☆☆☆

اسے یہاں آئے تیسرا دن ہو چکا تھا، شادی کی گہما گہمی میں بھی وہ ایک پل کے لئے عباس کو بھول نہیں پائی تھی، پھوپھی اماں تو وارے وارے جا رہی تھیں، ان کی دو بہویں جن کا تعلق بنگال کی سرزمین سے ہی تھا ان کے اندر بنگال رچا بسا تھا اپنے مخصوص پہناوے سے وہ گھر میں پھرتی بڑی بھلی لگا رہی تھیں، آنکھوں میں کاجل کے ڈورے، بنگالی طرز میں باندھی ساڑھیاں، زیوروں سے لدی، ہر آنے جانے والوں کو خوش دلی سے مسکرا مسکرا کر مل رہی تھیں، اخلاق تو جیسے ختم تھا ان پر۔

بنگال کی بارش حسب معمول زمین کے سینے کو تر کر رہی تھی، شام کے سائے بادلوں کے بیچ اپنی اہمیت کھو چکے تھے، سارا آسمان بادلوں سے بھرا ہوا تھا، ہوائیں انہیں اڑانے کی ناکام کوششوں میں مصروف تھیں۔

ابھی تھوڑی دیر میں اندھیرا ہو جائے گا، کھڑکی کے پردے پیچھے کو سرکائے وہ دور دور تک پھیلے سبزے پر گرتی بارش کو دیکھ رہی تھی، لیکن دل کے اندر پھیلی ویرانی اپنا من پسند منظر دیکھنے پر بھی کم نہیں ہو رہی تھی۔

کتنے دن ہو گئے عباس کی صورت دیکھے، وقت تو جیسے کاٹے نہیں کٹ رہا وہ عباس کے بارے میں سوچ رہی تھی اور ادھر لاہور میں عباس اپنے گھر والوں کے آگے ڈٹا کھڑا تھا۔

"مجھے پتہ ہے ضرور یہ کسی لڑکی کا چکر ہے جو یوں یہ میرے آگے کھڑا ہو رہا ہے۔" اماں جو قریب ہی چارپائی پر لیٹی ہوئی تھیں زینو کو قریب بلا کے بولیں۔

"آپ بھی کتنی سنگدل ہیں اماں اگر ایسا

ہے تو آپ کو کرنے دو مرضی آخر ان کی اپنی زندگی ہے۔"

"بھاڑ میں جائے اس کی مرضی، مجھے تو لگتا ہے کہ تم ہی دماغ خراب کر رہی ہو اس کا اتنا تابعدار میرا بچہ جانے کس نے پھانس لیا۔" عباس کمرے میں آیا تو آگے اماں زینو اسی بات کو لے کر بول رہی تھیں اسے دیکھ اماں کی آنکھوں میں آنے والے آنسوؤں کی مقدار میں اضافہ ہو گیا عباس سے ان کا رونا دیکھا نہ گیا تو وہ ان کے پاس پلنگ پر بیٹھ گیا۔

"بہت برا ہوں ناں میں اماں جو آپ کی پریشانی کا سبب بن رہا ہوں۔" اس نے اماں کی گود میں سر رکھ لیا تو ان کا دل بھی پسیج گیا انہوں نے جھک کر اس کے ماتھے کا بوسہ لیا زینو ماں بیٹے کا لاڈ دیکھ کر قریب چلی آئی، وہ بھی پلنگ پہ بیٹھ گئی۔

"میں اسرار بھائی کو زبان دے چکی ہوں اور زبان سے پھرنا شریف لوگوں کو زیب نہیں دیتا۔" اس نے گود میں لیٹے لیٹے نظریں اٹھا کر اماں کی طرف دیکھا۔

"میں بھی یہی کہتا ہوں مگر آپ لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی۔" اماں نے ناسمجھی کے عالم میں اس کے سر پر ہلکے سے دھپ رسید کی۔

"تو خاک کہتا ہے، جو کہنا تھا کہہ دیا میں نے؟" اس نے گود سے سر اٹھا لیا۔

"اماں آپ بھائی کی بات بھی تو سن لیں، ہو سکتا ہے انہیں بھی کوئی لڑکی پسند ہو۔"

زینو کی بات نے اماں کے سامنے اس کے دل کی ترجمانی کر دی تھی، اس نے بڑی تشکرانہ نظر سے زینو کو دیکھا جو کچھ نہ جانتے ہوئے بھی بہت کچھ جان گئی تھی اور اماں نے اسے عباس کی طرف دیکھا جیسا پوچھ رہی ہوں کہ اس بات میں کوئی سچائی ہے، وہ نظریں جھکا گیا تو اماں اس کی جھکی ہوئی نظروں کا مطلب سمجھ گئیں۔

"اگر کوئی ہے تو اسے دل سے نکال پھینکو کیونکہ اکبری کے علاوہ اس گھر کی بہو کوئی نہیں بنے گی۔" اماں کی بات سن کر وہ کافی دیر نظریں نیچے جھکائے جانے کیا سوچتا رہا، شاید وہ سوچ رہا تھا کہ سب کچھ بے سود ہے، زینو عباس کے چہرے پر تفکر کے واضح آثار دیکھ رہی تھی وہ چاہ کر بھی کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

وہ بغیر کوئی بات کیے کمرے سے باہر نکل گیا۔

یہ جان کر کہ میں کسی کو چاہتا ہوں ان کے دل میں کوئی نرم گوشہ پیدا نہیں ہوا تو میری نکاح والی بات سن کر تو وہ اپنی جان ہی دے ڈالیں گی، سو وقت پر چھوڑ دو وہی بہتر فیصلہ کرے گا۔

☆☆☆

اختر کو ملنے کے بعد وہ سیدھا لکھنو کے لئے روانہ ہو گیا، اماں کی باتوں نے ذہن کو پریشان کر رکھا تھا، اسے تھا کہ اگر اس بار اماں مان گئیں تو وہ نکاح کی بات لیک آؤٹ کر دے گا مگر یہاں تو وہ پہلے سے ہی بھی زیادہ کڑے تیوروں میں تھیں، وہ چاہ کر بھی خاموش ہی رہا۔

"یہ تمہاری زندگی ہے اسے ڈر کے مت جیو، جو دل میں آئے وہ کرو اور جب وقت آئے گا تو بتا دینا، نکاح ہی کیا ہے تم نے کون سا کوئی بغیر نکاح کے ہو۔" اختر کی بات سے اسے ڈھارس ہوئی تھی، اب وہ وہی کرے گا جو اس کا دل چاہے گا، زینو نے بھی باتوں باتوں میں اسے یہی سمجھایا تھا، سو وہ اب بالکل مطمئن ہو گیا تھا اس بات پر کہ وہ وہی کرے گا جو اس کا دل چاہے گا اور اس کے دل کی اولین خواہش سلطنت تھی اور ویسے بھی اب وہ دونوں جس رشتے میں بندھ گئے تھے، وہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ان دونوں کو بہت قریب لے آیا تھا۔

☆☆☆

تین جون کے تاریخی فیصلے نے ملکی حالات ایک دم بدل دیئے تھے، مائیگریشن کا سلسلہ پورے ہندوستان میں جاری تھا، ہندوستان کی تاریخ کا ایک گھٹن باب شروع ہو رہا تھا، یہ وہ دور تھا جب ہندوستان کی تاریخ انسانی خون سے لکھی جانی تھی، ہندوستان کے حالات دھیرے دھیرے سنگین صورت حال میں داخل ہو رہے تھے، لاہور سے لے کر دہلی اور دہلی سے لکھنو، مائیگریشن کے اس چکر نے گاؤں کے گاؤں ویران کر دیئے تھے اور پھر ہندوستان کے درمیان کھینچی اس سرخ لکیر نے ہر سو تھال کے تھال سرخ سیال اچھالنا شروع کر دیا تھا، ہولی سی تھی جو ہر طرف کھیلی جا رہی تھی، ہندوستان کا آسمان دکھ اور پریشانی کے بادلوں تلے نڈھال سا چھپے جا رہا تھا، آندھی سی تھی جو اپنی لپیٹ میں آنے والی ہر چیز کو نیست و نابود کر رہی تھی، انساں بھی اس کی پہنچ سے باہر نہیں تھا۔

آسمان سے خون ٹپک رہا تھا اور دھرتی خاموش تھی، راوی خاموشی سے بیٹھا تاریخ کے صفحوں پہ صفحے لکھے جا رہا تھا، خاموش نظریں اور سلے ہوئے ہونٹ، یہ کیسی بے بسی تھی کہ وہ جو دیکھ رہا تھا اسے حرف لکھ سکتا تھا اس کے خلاف نہ تو بول سکتا تھا اور نہ کچھ کر سکتا تھا۔

آج کے انسان کو کیا ہو گیا ہے اسے خون سے خوف کیوں نہیں آتا کسی دوسرے کی عزت اس کے نزدیک کیوں غیر اہم ہو گئی انسانی رشتوں کی عزت و تکریم سے کیوں بغاوت پر اتر آیا تھا وہ۔

☆☆☆

عباس جب لاہور سے لکھنو پہنچا تو وہ بری طرح بخار میں تپ رہا تھا اسٹیشن سے گھر آئے ہوئے راستے میں جس کی ملاقات خورشید سے ہوئی تھی اور اس نے بتایا تھا کہ ابھی تک سلطنت واپس نہیں آئی، خورشید کی بات نے اسے پریشان کر دیا تھا ملکی حالات اتنے خراب ہیں اور وہ وہی بیٹھی ہے، استحقاق کا ایک طوفان سا تھا جو اس کے اندر ہچکولے کھا رہا تھا، بخار اس قدر تیز تھا کہ اسے بالکل بھی سدھ بدھ نہیں رہی تھی، دونوں ممانیاں نے ٹھنڈے پانی کی پٹیاں کر کے شام تک بخار کو ہلکا کر دیا تھا دونوں کی محنت رنگ لائی تھی وہ پہلے سے کافی بہتر تھا۔

اکبری پلنگ کے قریب ہی کرسی پر بیٹھی تھی جب اس کی آنکھ کھلی تھی، بخار سے ابھی بھی اس کا بدن گرم تھا، آنکھوں کی سرخی قدرے کم ہوئی تھی، اکبری کو دیکھ اس کے چہرے کو دوسری طرف موڑ لیا، نقاہت سے برا حال تھا، اکبری اس کا چہرہ دوسری طرف مڑتا دیکھ چکی تھی۔

"کچھ چاہیے آپ کو۔" دھیمی آواز سے بولتی وہ اٹھ کر جلدی سے کھڑی ہو گئی بڑی ممانی خود سے وہاں بیٹھا کر گئیں تھیں کہ اگر اسے کسی چیز کی ضرورت ہو تو کوئی وہاں موجود ہو، عباس نے چہرہ موڑے موڑے ہی نفی میں سر کو ہلایا اور آنکھیں موند لیں، اکبری کو دیکھ کر سلطنت یاد آنے لگی تھی کتنے دن ہو چلے اسے دیکھے ہوئے۔

اسے سوچ کر ایک دفعہ پھر وہ پریشان ہو گیا تھا، پنجاب کی طرح بنگال کے حالات بھی خراب ہوں گے جس طرح کے حالات وہ راستے میں دیکھ کر آیا تھا اگر وہاں بھی، اس کا دل دہل گیا، اک بے چینی اور بے کلی اس کے عصاب پر طاری ہو گئی تھی اس نے بے خیالی میں ہاتھ ماتھے پر دے مارا تو اکبری جو ابھی تک اس کے قریب کھڑی تھی مچل سی گئی۔

"کیا سر میں درد ہو رہا ہے، میں دبا دوں۔" وہ تھوڑا سا اس کی طرف سرکی مگر اس کے اتنے سخت انکار پر وہی رک گئی، لیکن دل کے ہاتھوں مجبور دوبارہ آگے بڑھنے کی جسارت کی۔

"میں نے کہا ناں، یہ درد تمہارے دبانے سے ختم نہیں ہو گا۔" ہلکی سرخی مائل آنکھوں میں غصہ اسے کچھ جتا رہا تھا سمجھا رہا تھا مگر وہ نا سمجھ کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھی۔

"کوشش کرنے میں کیا مضائقہ ہے۔"

"لاحاصل کوششیں کچھ فائدہ نہیں دیتیں۔"

"ہر کام فائدے کے لئے نہیں کیا جاتا۔" وہ بھی بضد تھی اس لئے اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئی۔

"نہیں کچھ کام ایسے ہوتے ہیں جن میں فائدہ ضروری ہوتا ہے، نقصان ہو جائے تو انسان اپنی ہستی کھو دیتا ہے۔" وہ اس کی ضد پر زچ ہو گیا اور اپنے تئیں اسے بہت کچھ سمجھانے کی کوشش کی۔

وہ فی الحال اس کے جواب پر خاموش ہو گئی لیکن اس کا دل کچھ بھی سمجھنے کو تیار نہیں تھا، محبت ہوتی ہی ایسی ہے اپنی ذات کے سوائے اسے اور کچھ بھی نظر نہیں آتا۔

☆☆☆

گھر میں رہ رہ کر اس کا دل اکتا گیا تھا اس لئے وہ اٹھ کر باہر نکل آیا، لکھنو کی ان قدیم تنگ گلیوں سے گزرتا وہ باہر سڑک پر آ گیا، جہاں دنیا ایک نئے دوراہے پر کھڑی تھی، ہر گزرتا دن انہیں نئے وسوسوں میں دھکیل رہا تھا، اپنے بسے بسائے گھر چھوڑنا کوئی معمولی بات نہیں ہوتا اور آگے جہاں جانا ہے وہ سب میسر ہو گا کہ نہیں کوئی نہیں جانتا تھا، بنے بنائے معاشرے کو چھوڑ کر نیا معاشرہ تعمیر کرنا مشکل ہوتا ہے۔

لیکن بہت سے لوگ یہ مشکل اٹھانے کے لئے تیار تھے، اک نئے جوش و خروش کو دل میں بسائے وہ اپنے نئے ملک کے لئے ہر مشکل سے ٹکرانے کے لئے تیار تھے اور کچھ تھے جو اک کھٹکا سا دل میں لئے ہوئے تھے، ہچکولے کھاتی کشتی میں سوار تھے۔

اتنے دن بخار میں مبتلا رہنے کے بعد وہ اپنے بدن میں کمزوری سی محسوس کر رہا تھا، اس لئے اک چائے والے کی دکان کے آگے رکھے سٹول پر بیٹھ گیا اور اک افراتفری کے عالم میں لوگوں کو ادھر ادھر آتے جاتے دیکھنے لگا۔

لکھنو اپنی آن بان شان کی صدیوں سے سنبھالے ہوئے، یہاں کئی سلطنتیں بنی تباہ ہوئیں لیکن اس کی شان میں فرق نہ آیا مگر آج نجانے کیوں ایسے محسوس ہو رہا تھا، جیسے اس کی آنکھیں نمکین پانیوں کے بوجھ تلے دبی جا رہی ہیں، وہ کھل کے رونا چاہتا ہے، وہ خود میں مقیم ان لوگوں کو خود سے بچھڑتا کیسے دیکھ سکتا ہے جنہیں صدیوں سے وہ اپنے ساتھ لگائے ہوئے تھا، وہ کیسے ان چھوٹے چھوٹے بچوں کو جدا کر سکتا تھا جو اس کی گلیوں کی رونق تھے جن سے اس کے دل کا باغ مہکتا تھا یہ بچے جو اس کے آسمان کے تارے تھے اس کی روشنی تھے۔

یہ لکھنو خود کچھ بھی نہ تھا، اس کے مکینوں نے اپنے اخلاق و اطوار انہی وضع داری سے اسے اتنا بلند کر دیا کہ دوسرے لوگ ان کے سامنے خود کو چھوٹا محسوس کرنے لگے ان کے اخلاق کو اپنانے کی خواہش کرنے لگے اور وہ بھلا کیسے ان وضع دار لوگوں کو خود سے جدا کر سکتا تھا۔

(باقی اگلے ماہ)

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

سلطنت

دوسری اور آخری قسط

طیبہ ہاشمی

"میاں چائے نوش فرمائیے گا۔" چائے فروش کے پکارنے پر وہ چونکا اور چہرہ موڑ کر اس کی سمت دیکھتے ہوئے نفی میں گردن ہلائی۔

"یہ دن بھی دیکھنا لکھے تھے قسمت میں۔" چائے فروش اب کسی دوسرے آدمی سے مخاطب تھا۔

"اپنا گھر بار چھوڑنا آسان نہیں ہوتا مگر اب کیا کیجئے۔" اس دوسرے آدمی کی آواز میں عجیب سا درد تھا ایسا درد جو اندر ہی اندر دل کو چھیل ڈالتا ہے، یہ ایسا درد تھا جو یہاں لٹنے والے ہر انسان کا درد تھا۔

عباس جو پہلے خاموشی سے ان کی باتیں سن رہا تھا اس سے رہا نہ گیا۔

"ہر کام اچھے کے لئے ہی ہوتا ہے اور وہ بھی اب آپ کا ملک ہے آپ لوگوں کے لئے ہی معرض وجود میں آیا ہے۔"

"تم ابھی بچے ہو میاں، آنے والا کل کس نے دیکھا ہے۔"

"امید تو انسان اچھی دکھ سکتا ہے اور کل تو واقعی میں کسی نے نہیں دیکھا، کل کی کیا بات آنے والے لمحے کی خبر نہیں ہے انسان کو، تو پھر اس بات پر سر کھپانے کی کیا ضرورت۔" عباس کی بات پر وہ آدمی خاموش ہو گیا۔

"کیا آپ جانتے ہیں کہ آنے والا لمحہ آپ کے لئے بہتر ہے، بالکل نہیں، تو پھر آپ کیوں فکر کرتے ہیں، اپنے خدا پر بھروسہ کریں، وہ سب کے لئے بہتر وسیلے پیدا کرنے والا ہے۔" وہ آدمی بڑی خاموش نظروں سے عباس کی باتیں سن رہا تھا۔

"صحیح وقت پر صحیح فیصلہ آپ کے اعلیٰ دماغ ہونے کی نشانی ہوتا ہے، یہی وقت ہے جب آپ فیصلہ کر سکتے ہیں، اچھا یا برا، اسے کل پر چھوڑ دیں اور اگر برا بھی ہو تو کوئی بات نہیں، وہاں آپ اپنے ملک میں ہوں گے، اپنے لوگوں میں جو ل

مکمل ناول

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کر آپ کے برے کو اچھے میں بدل سکتے ہیں، بس ہمت کرنے کی دیر ہے۔"

عباس کا ولولہ اور جوش دیکھنے کے قابل تھا اس کے بدن میں پھیلی کمزوری جانے کہاں جا چھپی تھی، پر جوش سا وہ اس آدمی کی ہمت بندھا رہا تھا جو آنے والے وسوسوں میں گھرا ہوا تھا اور اس جیسے جانے اور کتنے لوگ تھے جن کو ہمت دلانے کی ضرورت تھی۔

عباس کی بات ابھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ کسی نے پیچھے سے آکر اس کے کندھے کو تھپتھپایا، وہ جوان باتوں میں اتنا مصروف تھا چونک کر پیچھے کو پلٹا۔

☆☆☆

"آداب عرض ہے۔" عباس نے اس آنے والے کو پہچاننے میں ذرا بھی دیر نہیں لگائی تھی، وہ خورشید جہاں کا خاص ملازم تھا جس کے ساتھ وہ اکثر باہر آتی جاتی تھی۔

"ذرا ادھر آیئے گا۔" اس نے بڑے معذرتی انداز میں عباس کو دوسری طرف آنے کا اشارہ کیا تو وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"کہیے میاں کیسے گزر رہی ہے؟" وہ ایک طرف کھڑا ہوتے ہوئے بولا۔

"جی کرم ہے پروردگار کا۔"

"میاں ہم اس لئے حاضر ہوئے ہیں کہ خورشید بٹیا نے کل آپ کو اپنی کوٹھی پر یاد کیا ہے اور خاص تاکید کی ہے کہ آنا بھولیے گا مت۔" اتنا کہہ کر وہ جھک کر آداب کہتا واپسی کے لئے مڑ گیا۔

"پتہ نہیں سلطنت ڈھاکہ سے واپس آئی ہے کہ نہیں۔" اس کا ذہن ایک دم سلطنت کی طرف سفر کر گیا۔

"اب تک تو آ جانا چاہیے تھا کتنے دن ہو چلے ہیں۔" اپنے آپ سے اندر ہی اندر کچھ کہتا وہ واپس مڑنے لگا تو پھر اس کی آواز نے قدم رک لئے۔

"اور ایک بات میاں، انہوں نے کہا تھا کہ شام سے پہلے آیئے گا۔" عباس چلتا ہوا اسی دکان کے قریب آن رکا۔

"آپ نے تو ہماری آنکھیں کھول دیں، ہم تو پاکستان نہ جانے کی رٹ لگائے بیٹھے تھے۔" اس آدمی کی بات سن کر عباس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"پچھلے چند روز سے ہمارا گھر جھگڑے کی زد میں تھا، سارے گھر والے جانے پر زور دے رہے تھے اور میں اکیلا نہ جانے کی رٹ لگا رہا تھا، لیکن آپ کی باتوں نے میرے ذہن کو اپنے وطن کی محبت سے منور کر دیا ہے، اپنا گھر اپنا ملک، اس سے بڑی نعمت کوئی نہیں ہوتی۔"

"ہم تمہارے بہت شکر گزار ہیں، خدا تمہاری خوشیوں کی عمر لمبی کرے۔" وہ آدمی اس کے کندھے پر تشکرانہ تھپکی دیتا ہوا آگے کو بڑھ گیا، چائے فروش کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ تھی۔

☆☆☆

"میں مر جاؤں گا مگر اس گھر سے باہر قدم نہیں نکالوں گا۔"

"امین تم سمجھتے کیوں نہیں ہو یہ ملک ہمارا نہیں ہے۔"

"کیسی باتیں کرتے ہیں آپ بھیا، اگر یہ ملک ہمارا نہیں ہے میں کیسے مان لوں کہ وہ ملک ہمارا ہو گا جسے میں نے آج تک دیکھا ہی نہیں۔" اس نے ابھی گھر میں قدم رکھا ہی تھا کہ سامنے آنگن میں بچھے تخت پر دونوں ماموں بحث کرتے

نظر آئے، بڑے ماموں نے ہاتھ میں اخبار پکڑ رکھا تھا۔

"تم وہاں چل کر تو دیکھو وہاں کی ہر چیز ہماری ہو گی، وہاں کے لوگ، وہاں کی فضائیں جن میں مندر کے گھنٹے نہیں اذان کی آواز گونجتی ہے۔"

"آپ جو مرضی کہیں لیں میں نہیں جانے کا۔" چھوٹے ماموں اپنا فیصلہ سنا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"یار میری بات تو سنو۔" بڑے ماموں پچھلے کئی روز سے انہیں سمجھا رہے تھے مگر وہ ماننے میں نہیں آ رہے تھے۔

"معافی چاہتا ہوں بھائی میاں، لیکن جو آپ کہہ رہے ہیں میں ایسا نہیں کروں گا، آدھی سے زیادہ زندگی گزر چکی ہے اور جو زندگی کے سال بچے ہیں میں یہیں گزارنا پسند کروں گا۔" وہ یہ بات کہنے کے بعد سے دروازہ پار کر گئے، عباس آنگن میں آ چکا تھا۔

باہر گلی میں برابر والے مکان سے سامان اٹھ رہا تھا، چھکن صاحب بھی کراچی کے لئے رخت سفر باندھ رہے تھے، امین کا فیصلہ سن کر وہ تو آگ بگولہ ہو گئے۔

"اے لو میاں، یہ ملک بنا کس لئے ہے جب ہم نے وہاں بسنا ہی نہیں ہے مجھے تو لگتا ہے جناح صاحب اتنی دیر سے جھک ہی مار رہے تھے۔"

"کیسے سمجھاؤں میں سب کو۔" چھوٹے ماموں منہ میں بڑبڑائے، اتنی دیر میں بڑے ماموں بھی دہلیز پار کر کے باہر آ چکے تھے۔

"میاں، آپ ہی سمجھائیں انہیں۔" وہ ان دونوں کے قریب چلے آئے۔

"وقت ہے ابھی سنبھل جاؤ، بعد میں پچھتانا پڑے گا۔" چھکن صاحب چھڑی ہاتھ میں پکڑے امین ماموں کو سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔

"اتنی دیر سے جو ہم یہاں رہ رہیں ہیں تو کیا اپنا گھر سمجھ کر نہیں رہ رہے تھے، صدیوں سے ڈیرہ ہے یہاں ہمارا، تب تو کوئی خیال نہ آیا اور آج اسے دیار غیر کہہ کر، چھوڑ رہے ہیں۔"

"اے لو کر لو بات، امین میاں آپ کو کیا ہو گیا ہے جو آپ یہ بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں، یہ ملک کب تھا ہمارا۔" امین ماموں کو بات سن کر پھر تاؤ سا آ گیا مگر انہوں نے خاموش رہنے میں ہی عافیت جانی۔

☆☆☆

گھر میں جوان دنوں بات چل رہی تھی اس سے برعکس اس کا ذہن کہیں اور ہی بھٹک رہا تھا۔

خورشید کا پیغام پا کر اس کو اک بے چینی نے آن گھیرا تھا۔

"جانے کیا بات ہے، سلطنت آئی یا نہیں۔"

دوسرے دن جاتی دوپہر کے ساتھ ہی وہ بھی گھر سے باہر نکل آیا، گرمی کے مارے ہر ذی روح کا برا حال تھا، خالی سڑکوں پر کبھی کبھی کوئی موٹر شوں کرتی گزر جاتی، سڑک کے کنارے کھڑے درختوں کے نیچے بیٹھے لوگ خود کو گرمی سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے، لکھنو شہر جو کبھی اپنی مثال آپ ہوتا تھا، آج سنسان اور اداس اداس لگ رہا تھا اس کے مکین دھیرے دھیرے یہ سرزمین چھوڑنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

خورشید کے ہاں جانے سے پہلے اسے چندر داس (اس کا پرانا کلاس فیلو) سے کسی کام کے سلسلے میں ملنا تھا، اس لئے پہلے وہ اس کے پاس گیا تھا اور پھر سہ پہر کے جاتے ہی وہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

خورشید کی کوٹھی میں داخل ہوگیا، جس کی بجری کی چوڑی سڑک کے ساتھ ساتھ رنگ برنگے پھولوں کی قطاریں لگی ہوئی تھیں، گلاب، موتیا، بیلا، ہر رنگ آنکھوں کو بھلا لگ رہا تھا، تھوڑی دور موسری کی ٹہنیوں پر ننھے ننھے پرندے چہچہا رہے تھے۔

وہ اندرونی دروازے سے اندر داخل ہوا سامنے برآمدے میں خورشید کی اماں تخت پر بیٹھی سروتے سے چھالیا کاٹنے میں مصروف نظر آئیں، جان پہچان تھی اس لئے وہ سیدھا ان کے پاس چلا آیا، آداب وتسلیم کے بعد انہوں نے گھر کے ملازم کے ہاتھ خورشید کو پیغام بھجوایا اور وہ بھی جیسے اسی کا انتظار کر رہی تھی دوڑی چلی آئی اور انہی قدموں سے اسے اپنے کمرے میں لے آئی۔

عباس ہچکچاتے ہوئے ایک طرف کرسی پر بیٹھ گیا۔

"آپ تشریف رکھیے میں ابھی آتی ہوں۔" وہ کمرے سے باہر نکل گئی، اس کے کمرے سے باہر جاتے ہی عباس اطمینان سے کرسی پر بیٹھا رہا اور سرسری سا کمرے کا جائزہ لینے لگا، کمرہ عام کمروں کی نسبت کافی بڑا تھا جیسے ضرورت کی ہر چیز نے اچھے طریقے سے مزین کر رکھا تھا، خورشید جاتے جاتے ٹیبل فین چلا گئی تھی اس لئے گرمی کا احساس زائل ہوگیا تھا۔

"سلطنت پتہ نہیں آئی کہ نہیں۔" گھوم پھر کر اس کا ذہن سلطنت کی طرف چلا گیا اور کیوں نہ جاتا، ایک وہی تو تھی جو اس تپتے موسم میں ٹھنڈی پھوار کی مانند تھی، جس کو سوچنے پر ہی ہر قسم کا برا احساس زائل ہو جاتا تھا۔

پتہ نہیں کیوں اب بھی اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ آس پاس ہی ہے، خورشید جلد ہی کمرے میں واپس آگئی۔

"سلطنت ڈھاکہ کیا گئی، آپ تو ملنے سے بھی گئے۔" وہ اس کے سامنے کرسی رکھ کر بیٹھتے ہوئے بولی تو اس کی بات سن کر وہ ہولے سے مسکرایا اور اسے اپنی بیماری کا بتانے لگا کہ کیسے وہ اتنے دن بخار میں مبتلا رہا۔

"اپنی اماں کی طبیعت کا سنایئے سلطنت نے ایک دفعہ ذکر کیا تھا کہ وہ اکثر بیمار رہتی ہیں۔"

یہاں آکر ایک بے چینی سی اس کے گرد گھومنے لگی تھی، وہ پاس نہیں تھی پھر بھی فضاؤں میں اسی کی خوشبو بسی ہوئی تھی جیسے وہ آس پاس ہی ہو اس کے، خورشید اس سے بات کر رہی تھی مگر اس کا ذہن کہیں اور ہی بھٹک رہا تھا۔

"ہاں، بیمار تو ہیں۔" اس سے جیسے اتنا ہی جواب بن پایا، خورشید کو بھی اس کے چہرے پر سلطنت کی ڈوبتی ابھرتی پرچھائیاں نظر آرہی تھیں وہ جیسے کچھ سوچ کر اندر ہی اندر مسکرادی۔

وہ خورشید سے سلطنت کی واپسی کا پوچھنا چاہ رہا تھا مگر وہ اس سے اور ہی سوال کیے جارہی تھی۔

"آج کل ملکی حالات بھی کچھ ایسے ہیں کہ ٹینشن پر ٹینشن۔" وہ جیسے جان بوجھ کر اس کے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی بول اٹھی۔

"کیا آپ پاکستان نہیں جائیں گے۔" عباس کے ہونٹ کچھ کہنے کے لئے کھلے تھے، بند ہوگئے، تھوڑی دیر وہ خاموش رہا پھر گلا کھنکارتے ہوئے بولا۔

"فیصلہ ہندوستان کی قسمت کا ہوا ہے میری کا نہیں، اپنی نیا تو ابھی بیچ منجدھار میں ہی ڈول رہی ہے۔" بات کرتے ہوئے وہ سنجیدہ سا ہو گیا۔

خورشید کو وہ اس وقت کتنا سچا انسان لگا تھا

جو محبت میں، میں بہت دور نکل گیا تھا ہوتا ہے ایسا کبھی کبھی جب انسان خود کو ایک کشتی کی مانند لہروں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیتا ہے وہ جہاں چاہیں بہالے جائیں اس کی قسمت، اس نے بھی تو خود کو سلطنت کے سپرد کر دیا تھا، یہ محبت اسے کہاں لے جائے گی، اس نے قسمت پر چھوڑ دیا تھا۔

"ڈولتی نیا کو آپ نے مضبوطی سے تھام تو لیا ہے۔" خورشید کا اشارہ نکاح کی طرف تھا۔

"تھام تو لیا ہے مگر طوفان بھی سر پر کھڑے ہیں جو ڈولتی نیا کو سہارا دینے پر پوری طرح خوش نہیں ہونے دے رہے۔"

یہ جملہ عباس نے ادا نہیں کیا تھا، عباس چونکا آواز جانی پہچانی تھی بلکہ یہی آواز تھی جس نے اس کی زندگی کے ستونوں کی مضبوطی سے تھام رکھا تھا عباس نے خورشید کی طرف دیکھا جو ہنستے جا رہی تھی عباس نے جان لیا کہ اس نے اسے یہاں کیوں بلایا ہے۔

اتنی دیر میں خورشید کا ملازم شربت سے بھرا جگ گلاس سمیت اندر آیا تو جلدی سے کوئی پردوں کو پیچھے ہٹاتا ہوا چودھویں کے چاند کی مانند آنکھوں کو خیرہ کر گیا سلطنت غرارہ پہنے کریہ سے دوپٹہ سر پر جمائے عباس کے رگ وپے میں اترتی چلی گئی، ہلکا گلابی رنگ جیسے عاشق تھا اس پر شاید عباس کو یہ رنگ بہت پسند تھا اسی لئے اس پر بہت بجتا تھا۔

ملازم سے شربت لے کر وہ اسے کمرے سے باہر بھیج چکی تھی، وہ شربت سے بھرا گلاس اسے پیش کر رہی تھی، دونوں اک دوسرے کو قیامت خیز نظروں سے دیکھ رہے تھے، کمرے کی فضاؤں پر اک عجیب سا سکوت طاری ہوگیا، کیا کہہ رہے تھے یہ گزرتے لمحے، ان لمحوں کی پکار سے انجان تو دونوں نہیں تھے وہ جس رشتے کی ڈور سے بندھے تھے اس کی حقیقت سے انکار نہیں تھا ملازم کے ساتھ ساتھ خورشید بھی کمرے سے باہر جا چکی تھی۔

وہ دونوں اس وقت کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھے، محبت کا نشہ ان دونوں کی آنکھوں میں ڈولتا بینائی کھو دے رہا تھا، انہیں اس احساس کے علاوہ اور کچھ بھی محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

عباس نے شربت کے ساتھ ساتھ تو اس کا ہاتھ بھی اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

یہ خوبصورت لمحے ہر انسان کی زندگی میں آتے ہیں اور آج وہ بھی جگہ کا تعین کیے بغیر ہی ان لمحے کی مضبوط گرفت میں آگئے تھے، سلطنت موم بنی عباس کی سانسوں کی گرمی کے آگے پگھل گئی تھی، آج ان دونوں کی ہستیاں اک نیا جیون پا رہی تھیں جیسے کوئی تقسیم جدا نہیں کر سکتی تھی۔

☆☆☆

"میں تمہارے بغیر تنہا نہیں جاؤں گا امین۔" بڑے ماموں زور زور سے رو رہے تھے۔

"میرا کون ہے تمہارے بغیر، ایک دفعہ اور سوچ لو۔" امین ماموں بھائی کی حالت پر پریشان ہوگئے تھے جو نڈھال سے اس کے آگے ہاتھ جوڑے کھڑے تھے وہ شاید بھائی کی حالت دیکھ کر اپنا فیصلہ بدل دیتے مگر بیوی کی مجبوری بھی اڑے آرہی تھی۔

"ہم سے جو مرضی کروالیں بھیا مگر ہم سے یہ نہ ہوگا، ہمارا اور امتحان نہ لیں۔" نوابن بوا دونوں بھائیوں کی حالت دیکھ خود بھی رونے لگیں۔

"اس ملک کے دو ٹکڑے نہیں ہو رہے، روحوں سے روحیں جدا ہو رہی ہیں، جان سے پیارے دو حصوں میں بٹ رہے ہیں۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

دونوں ممانیاں بھی قریب بیٹھی دونوں بھائیوں کی حالت دیکھ رہی تھی، چھوٹی ممانی نے چہرے دوسری طرف پھیر لیا تھا، ان کا میکا ہی تھا وہ تو کسی قیمت پر پاکستان نہیں جائیں گی، وہ دل میں تہہ کر چکی تھیں، بڑی ممانی بہرحال اپنے خاوند کی حالت پر پریشان تھیں، بھائی سے بھائی جدا ہو رہا تھا، قیامت ہی تو تھی، زندگی میں پہلی دفعہ بڑی ممانی نے اپنے شوہر کو یوں زار و قطار روتے دیکھا تھا، وہ بھائی سے بھائی کی محبت کا اندازہ لگا رہی تھیں، خون کے رشتے میں کتنی طاقت ہوتی ہے۔

انہوں نے امین ماموں کی طرف دیکھا، ایک بھائی جدا ہونے کے خدشے سے رو رو کر ہلکان ہو رہا ہے اور دوسرا انجانے مجبوری کی کون سی ڈوری سے بندھا ہے، یا یہ زمین جس نے جنموں اسے اپنے لہو سے سینچا ہے خود سے جدا نہیں ہونے دے رہی، یہ تو اب خدا ہی بہتر جانتا تھا کہ سچ کیا ہے۔

☆☆☆

مسہری میں لیٹے لیٹے آنکھیں موندے وہ اب بھی کسی کو اپنے بہت قریب پا رہی تھی اتنے دن اس سے دور رہ کر جو دل میں پیاس کے شعلے جلے تھے انہیں عباس کی چاہت کی مست پھوار نے لمحے میں بجھا دیا تھا، اسے تو ڈھاکہ ہی برا لگنے لگا تھا، دن گن گن کے گزار رہے تھے اس نے، وہ قیامت خیز گھڑیاں جو اس پر بیتی تھیں، عباس کے چھونے نے ان کا درد رگ و پے سے باہر نکال پھینکا تھا، اب وہ تھی اور عباس کا مست خیال۔

کس قدر خوبصورت ہے یہ احساس، جو مجھے بے قراری بخشے ہوئے ہے، بند آنکھوں جاگتی آنکھوں، بس وہی سراپا تھا جو بار بار اس سے لپیٹ کر اسے گدگدا رہا تھا اس کی پیاس بڑھا رہا تھا، بار بار اس کے ملن کی مانگ کر رہا تھا، وہ تکیہ منہ پر رکھے شرما کر کروٹ بدل گئی مبادا کوئی چہرے پہ بکھرے ملن کے یہ رنگ نہ دیکھ لے۔

حسنی اس کے لئے ٹھنڈے پانی کا گلاس لائی تھی، مگر اس کی پیاس چاہت کی جن لذتوں سے آشنا ہو چکی تھی اسے یہ پانی سیراب نہیں کر سکتا تھا اس لئے اس نے بڑی بے نیازی سے گلاس ایک طرف رکھ دیا، حسنی کے چہرے پر تعجب کے رنگ اترے مگر وہ بولی کچھ نہیں، بس کھڑی رہی جسے وہ اسے کچھ بتانا چاہ رہی تھی۔

''جاؤ اب۔'' سلطنت نے اسے خاموشی سے کھڑے رہنے پر کہا جیسے وہ اس وقت اپنے اور عباس کے خوبصورت احساس کے درمیان کسی تیسرے کو برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

''بڑے نواب اور چھوٹے نواب آپ کی باتیں کر رہے تھے کمرے میں۔'' حسنی کی بات پر وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کیا کہہ رہے تھے۔'' دوپٹہ سنبھالتی وہ اس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

''آپ کے نکاح کی بات کر رہے تھے نواب سعادت علی خان کے بیٹے کے ساتھ۔'' حسنی تو یہ سب ہنستے ہوئے بتا رہی تھی مگر سن کر اس پر جیسے کسی نے کھولتا ہوا پانی ڈال دیا ہو، اس کا سارا بدن جیسے کسی تپش کے زیر اثر آ گیا، آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا۔

''نکاح کیسے ہو سکتا ہے۔'' اس نے بڑی پھٹی پھٹی آنکھوں سے حسنی کو دیکھا۔

''جاؤ بوا کو بلاؤ۔''

بوا کو بلا کر اس نے پتہ لگانے کے لئے بھیجا اور وہی ہوا جس کا اسے ڈر تھا، ملک کے حالات خراب سے خراب تر ہوتے جا رہے تھے، اس لئے نواب سعادت علی خان صرف نکاح پڑھوا کر سلطنت کو اپنے ساتھ ولایت لے جانا چاہتے تھے۔

''یہ نہیں ہو سکتا۔'' اس نے چیختے ہوئے دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا لیا۔

''نکاح یہ نکاح کیسے ہو سکتا ہے۔'' بوا کے بھی طوطے اڑ گئے۔

''اب اگر نواب صاحب کو پتہ چل جائے کہ اس چکر میں، میں بھی شامل ہوں تو جانے کیا ہوگا۔'' نواب رجب علی کا غصہ اس سے چھپا ہوا نہیں تھا۔

دوسرے دن اس نے بوا کے کہنے پر عباس کو خورشید کے گھر بلوایا تھا مگر وہ لکھنؤ میں نہیں تھا وہ فیض آباد اپنی آپا ناہید کے ہاں گیا ہوا تھا۔

☆☆☆

''عباس، کہاں چلے گئے ہو میاں میری جان پر بنی ہے۔'' وہ پائیں باغ میں ادھر سے ادھر چکر کاٹ رہی تھی، شام کا وقت تھا دادی حضور کے پاس بیٹھی حسنی گھڑونچی پر موتیے کے گجرے بنا رہی تھی آج یہ کام اس نے نہیں کیا تھا۔

وقت کا پہیہ زور و شور سے آگے بڑھ رہا تھا، دادی حضور سے یوں پریشانی سے ٹہلتا دیکھ کر پریشان ہو گئیں۔

''سلطنت بٹیا، کیا کوئی پریشانی ہے۔'' وہ بڑی محبت سے بولیں۔

''چند دن کی مہمان رہ گئی ہے میری بچی اس گھر میں، بن ماں کی بچی کے نصیب اچھے لکھنا میرے مولا۔'' وہ دعائیں دینے لگیں۔

''نہیں تو دادی حضور، ہم تو یونہی ٹہل رہے تھے، آپ کیوں دکھی ہو رہی ہیں ہم تو اچھے بھلے ہیں۔'' اس نے بامشکل خود کو قابو کرتے ہوئے دادی کو حوصلہ دیا اور ان کے سامنے بیٹھ کر جہاں حسنی موتیے کے پھولوں کے ہار گوندھ رہی تھی۔

''سارا لکھنؤ خالی ہو رہا ہے، سارا شہر ویران ہو گیا۔'' دادی کا دل جیسے کٹ سا گیا۔

''دادی حضور ابا ہماری رخصتی اتنی جلدی کیوں چاہتے ہیں۔'' آخر اس نے اپنے دل کی بات کہہ ہی دی۔

''پتہ نہیں بٹیا کیا جلدی ہے اسے، میں تو خود ڈرتی ہوں اتنی افراتفری میں تمہارا ہاتھ کس غلط ہاتھ میں نہ چلا جائے۔'' اپنی دادی کی بات سن کر اسے جیسے حوصلہ ہوا۔

''تو آپ ابا سے بات کریں ناں ہم بھی ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی، ضروری تو نہیں کہ ملک کی قسمت کے ساتھ ہماری قسمت کا فیصلہ بھی ہو جائے۔'' بوا اتنے میں چائے کی ٹرالی گھسیٹتی وہاں چلی آئیں۔

''میں نے تو سو بار سمجھایا ہے مگر جب وہ کوئی فیصلہ کر لیتا ہے پھر وہ اپنی بھی نہیں سنتا۔'' وہ بڑے ہارے ہوئے انداز میں بولیں جیسے اب کچھ نہیں ہو سکتا، ان کی بات سن اس کے دل پر جیسے دوبارہ سے غم کی بدلی آن ٹھہری اور وہ بڑے دکھی سے انداز میں چائے پیئے بغیر ہی وہاں سے چلی گئی تو بوا چاہتے ہوئے بھی اسے نہ روک سکیں۔

☆☆☆

ناہید آپا بھی لاہور جانے کی تیاریوں میں جتی ہوئی تھیں، زینو کے خط پر خط آ رہے تھے کہ اماں کہہ رہی ہیں کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر لاہور چلی آؤ، وہیں عباس کو پتہ چلا تھا کہ اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے پہلے سے زیادہ بیمار ہو گئی ہیں وہ آپا تیاری بھی کر رہی تھیں اور رو بھی رہی تھیں۔

''دل نہیں چاہ رہا، کیسے چھوڑ کر جاؤں اپنے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

گھر کو، یہ گھر میں نے کتنی محبتوں سے بنایا تھا۔" اپنے چھوٹے سے کچن سیلن زدہ آنگن میں گلاب کے پھولوں کی ڈال پکڑے اس کا دل آٹھ آٹھ آنسو رو رہا تھا۔

"عباس میں جب سے بیاہ کر اس گھر میں آئی ہوں، اس گھر کے ذرے ذرے نے مجھے محبت دی ہے، میں کیسے بھول پاؤں گی اسے۔" ان کے گال آنسوؤں کی نمی سے تر ہو چکے تھے، انہوں نے غم، خوشی، کٹھے میٹھے دن، سب کچھ ہی تو دیکھا تھا اس گھر میں، اب کیسے چھوڑ کر جائیں یہاں سے۔

آپا کی حالت دیکھ کر اس کا دل دکھی سا ہو گیا اور وہ اٹھ کر باہر نکل آیا، فیض آباد کا یہ گلاب باڑی علاقہ۔

اپنے مکینوں کی طرح اس کا دل بھی کوئی چیر رہا تھا، اس نے بھی ان گلیوں میں ٹھہرتے ان چہروں کو دیکھا تھا شناسائی کے پل صدیوں میں نہیں پلوں میں طے کیے تھے اور جو لوگ اب یہاں سے کوچ کر رہے تھے ان کو اپنی بانہوں میں بسایا تھا سہارا دیا تھا اور آج وہ لوگ اسے مجبوراً بے سہارا چھوڑے جا رہے تھے۔

"اے لوگو! اس کراہ ارض کو تباہی سے بچا لو، دنیا چاہتوں سے بستی ہے نفرتوں سے نہیں۔" لیکن اس کی پکار کون سنتا۔

عباس پیکنگ میں آپا کی مدد کر رہا تھا، ساری چیز سنبھالنے کے بعد آپا اسے اپنے چھوٹے سے باغیچے میں لے آئی، صبح انہوں نے لاہور کے لئے نکل جانا تھا حیدر بھائی بچوں کے ساتھ برآمدے میں لیٹے تھے، باغیچے میں کھلے پھولوں سے ساری فضا مہکی ہوئی تھی۔

"میں ہمیشہ اس وقت بچوں کو سلانے کے بعد ادھر آ جاتی تھی، یہ مہکی مہکی سی فضا مجھے بہت اچھی لگتی تھی۔" ان کی آنکھیں پھر پانی سے بھر گئیں۔

"آپ پریشان نہ ہوں۔" عباس نے بہن کو کندھوں سے پکڑتے ہوئے حوصلہ دیا۔

"میں کیا کروں عباس میرا دل جیسے کوئی کاٹ رہا ہے، میں یہاں کی کسی بھی چیز کو ساری زندگی بھول نہیں پاؤں گی۔"

"آپ حوصلہ رکھیں آپا، دکھی تو سب ہیں مگر کیا کیا جا سکتا ہے، آپ دل چھوڑ دیں گی تو بھائی اور بچوں کو کون سنبھالے گا۔"

وہ عباس کے گلے سے لگی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی، وہ رات آپا نے کانٹوں کے بستر پر گزار دی تھی۔

وہ اس کے ساتھ ہی لکھنو آئیں تھیں جہاں بڑے ماموں اور ممانی اکبری سمیت لاہور جانے کے لئے تیار تھا۔

عباس نے اپنے بارے میں سب کو یہ بتایا تھا کہ اسے یہاں کام ہے اس لئے ابھی وہ یہاں سے نہیں جائے گا کچھ دن بعد ہمیشہ کے لئے لاہور آ جائے گا، لیکن اس کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا ابھی اس نے اپنے اور سلطنت کے بارے میں کچھ سوچنا تھا۔

دوسرے دن سب لوگ لاہور کے لئے روانہ ہو گئے تھے گو وہ سب اپنے ملک میں جا رہے تھے مگر ہر آنکھ میں نمی تیر رہی تھی اپنے بنتے بستے گھر چھوڑ کر جانا کوئی معمولی بات نہیں ہوتی۔

☆☆☆

خورشید کے ذریعے اسے پتہ چلا تھا کہ سلطنت کسی ضروری کام کے سلسلے میں اس سے ملنا چاہتی ہے۔

سارا گھر سنسان پڑا تھا، امین ماموں کے دونوں بیٹے چپ چاپ کمرے میں پڑے

دیواریں دیکھ رہے تھے اور سوچ رہے تھے کہ یہی وہ گھر ہے جہاں کل تک وہ اکبری آپا کی ڈانٹ کھاتے تھے، بڑے ابا کا پیارا بڑی امی کا دلارا، آج یہاں کچھ بھی نہیں تھا۔

"ایسی ویرانی کبھی دیکھی نہ تھی اس گھر نے۔" نوابن چائے بناتی بول رہی تھی۔

"ایسے لگتا ہے جیسے یہاں کوئی بسا نہ ہو۔" بڑے ماموں کے جانے سے وہ بہت دکھی ہو رہی تھیں۔

"دیکھو اب موئے کوئے بھی نہیں بول رہے جس سے تھوڑا سا زندگی کا احساس ہو۔" چھوٹی ممانی نے بھی زنجیدہ سے لہجے میں کہا اور نوابن سے چائے کا کپ لے کر عباس کو دینے اس کے کمرے میں گئیں، وہ گرمی کے باوجود کمرے میں پلنگ پر لیٹا ہوا تھا انہیں آتا دیکھ کر اٹھ کر بیٹھ گیا، وہ اس سے بھی گھر میں بکھری ویرانی کا ذکر کرنے لگیں۔

"اب تو کچھ عرصہ یونہی لگے گا، عادت جو نہیں اکیلے رہنے کی۔" اس نے چائے کا کپ پکڑتے ہوئے کہا۔

"ہاں اب تو یہ عادت ڈالنا ہو گی۔" اتنا کہتی وہ الٹے قدموں واپس لوٹ آئیں۔

کل تک وہ یہ گھر چھوڑنے پر راضی نہیں تھیں اور اب یہی گھر انہیں ویران لگ رہا ہے، اہمیت گھر کی نہیں ان میں بسنے والے انسانوں کی ہوتی ہے، جو کسی بھی مکان کو گھر بناتے ہیں، اس نے سوچا اور چائے کا کپ ہونٹوں سے لگا لیا۔

☆☆☆

شام کو اس سے پہلے سلطنت خورشید کے گھر پہنچ چکی تھی، اس کا سوگوار سا حسن اسے بے چین کر گیا۔

"پریشان کی کیا بات ہے وقت آئے گا تو بتا دیں گے، نکاح کیا ہے کوئی جرم نہیں۔" عباس کے دلاسے پر بھی اسے چین نہ آیا۔

"ابا حضور نے سارے انتظام کر لئے ہیں۔" وہ رو دینے کو تھی۔

"نکاح پر نکاح نہیں ہو سکتا اور ویسے بھی اب آپ میری بیوی ہیں، زبردستی کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔" عباس کے اتنے استحقاق پر اس کا دل حسن جیسے کچھ پلوں کے لئے شانت سا ہو گیا، وہ تو یونہی ڈر رہی ہے۔

اس کا وجود جیسے ہلکا پھلکا سا ہو گیا، مگر یہ خوبصورت احساس زیادہ دیر تک نہیں رہا۔

"میں آپ کے ساتھ ہوں سلطنت، بھروسہ رکھیں مجھ پر۔" عباس نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"یہ ہاتھ میں نے یونہی وقت گزاری کے لئے نہیں پکڑا، آپ کے ساتھ میرا تعلق مرنے کے بعد بھی رہے گا، یہ میرا وعدہ ہے۔" سفید رنگ کے چوڑی پاجامے میں ہلکے سبز رنگ کی قمیض پہنے وہ مسہری کے قریب کھڑی تھی، کاجل سے خالی آنکھیں، جن میں کسی نامعلوم سے خوف کی پرچھائیاں سر نکالے جھانک رہی تھیں، عباس کے اندر تک اتر گئیں۔

کانوں میں چھوٹی چھوٹی سونے کی بالیاں آویزاں تھیں، عباس اسے بہلانے کے لئے یونہی ان بالیوں سے کھیلنے لگا تو اس نے شرم سے گردن نیچے کو جھکا دی۔

"یہ سب میرا ہے اسے کوئی مجھ سے چھین نہیں سکتا۔" عباس نے فرط جذبات سے اسے اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا اور ایک بار پھر پیار کا بادل ٹوٹ کے برسا تھا۔

☆☆☆

"ہوئی بات ان سے۔" بوا کمرے میں آئیں تو وہ آگے پلنگ پر اوندھے منہ لیٹی تھی،

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

دھیان کہیں اور تھا اس لئے ان کی بات سلطنت نے سنی نہیں۔

''نواب زادی ہم آپ سے مخاطب ہیں۔''

بوا کی دوسری پکار پر وہ چونک گئی اور کمرے میں ان کی موجودگی کو دیکھتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گئی اور پھر کھلے بالوں کا جوڑا بناتے ہوئے ان کی طرف دیکھنے لگی۔

''عباس میاں ملے تھے؟ کیا کہا انہوں نے؟'' بوا نے اوپر تلے دو سوال کر ڈالے۔

''انہوں نے۔'' وہ اچانک ان کے سوال پوچھنے پر ذہن پر زور ڈالنے لگی کہ اس نے کیا کہا تھا لیکن اسے اس کے علاوہ کچھ بھی یاد نہیں تھا کہ عباس کی چاہت کا بادل ایک بار پھر ٹوٹ کے برسا تھا اس کے دل کی زمین پر، سوکھی زمین سیراب ہوئی تھی۔

ذہن کے پردے پر جیسے سفیدی سی پھر گئی تھی، یاد کرنے پر بھی کچھ یاد نہیں آ رہا تھا۔

''کہاں کھو گئیں بٹیا۔'' انہوں نے یوں اسے کہیں کھو جانے پر پریشان ہو کر پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھایا، اس نے شرمندہ ہوتے ہوئے پانی کا گلاس ان کے ہاتھ سے لے لیا، بوا نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا، ذہن کو ہوش میں لاتے ہوئے اسے کچھ کچھ یاد آیا۔

''کہہ رہے تھے کہ میں سب ٹھیک کر دوں گا۔''

''کب بٹیا کب، اب تو پانی سر تک پہنچ چکا ہے، مجھے تو تمہاری فکر ہے، نواب صاحب غصے میں کہیں؟'' بوا نے کانوں کو ہاتھ لگایا تو سلطنت بھی تھوڑی دیر کے لئے پریشانیوں کی زد میں آ گئی۔

☆☆☆

آج کل وقت بہشتی ہواؤں کے کندھوں پر سوار تھا، تیزی جیسے اس کے مزاج کا حصہ بنتی جا رہی تھی۔

زینو کے اوپر تلے دو خط اسے موصول ہوئے تھے، ماموں اور آپا لاہور خیریت سے پہنچ چکے تھے مگر بری خبر یہ تھی کہ اماں کی طبیعت بہت زیادہ خراب تھی بلکہ بقول زینو کے کہ وہ صرف عباس بھائی کا ہی انتظار کر رہی ہیں۔

زینو نے اماں کا جس طرح ذکر کیا تھا اس کا دل چاہا وہ اڑ کر لاہور چلا جائے، ماں آخر ماں ہوتی ہے وہ لاکھ اپنے آپ میں مگن تھا مگر ماں کی بیماری نے اسے ہلا ڈالا۔

لاہور جانے سے پہلے وہ ایک بار سلطنت سے ملنا چاہتا تھا۔

وہ اس وقت سلطنت کے ساتھ میر انیس کی آخری آرام گاہ پر موجود تھا، وہ جانے سے پہلے اس سے ملنا چاہتا تھا اتنا لمبا سفر، کہتے ہیں سفر کرنے سے پہلے جس آخری چہرے کو آپ دیکھتے ہیں وہی سارے سفر میں آپ کی آنکھوں کے سامنے رہتا ہے، وہ بھی اسے آنکھوں میں بسائے سارا سفر طے کرنا چاہتا تھا۔

☆☆☆

سیاہ رنگ کی چادر میں لپٹا اس کا نورانی چہرہ، پانی کے بوجھ تلے دبی کاجل سے خالی آنکھیں، کپکپاتے ہونٹ، عباس نے نجانے کیا سوچ کر چہرہ دوسری طرف پھیر لیا، کیسے جا پاؤں گا میں۔

کافی دیر دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی، بس خاموشی تھی جو دونوں کو ایک دائرے میں مقید کیے ہوئے تھی، عباس دوبارہ اس کی طرف رخ موڑ کر کھڑا ہو گیا۔

''عباس میں کیا کروں گی آپ کے بغیر، میرے ابا کو آپ نہیں جانتے۔'' اس نے عباس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا تو وہ اس کے اور نزدیک ہو گیا۔

''میری تنو مجھے صرف چند دن اور دے دے، میں جلد لاہور سے آ کر نواب صاحب سے خود مل لوں گا۔'' وہ روتی ہوئی مچل کر اس کے کندھے سے جا لگی۔

''عباس کہیں بہت دیر نہ ہو جائے۔''

''میری زندگی۔۔۔ ساتھ ہی سب ختم ہو گا، جب تک میری زندگی ہے تمہیں مجھ پر بھروسہ کرنا ہو گا، میں واپس آؤں گا ہم دونوں کی زندگی کے لئے۔''

عباس ایک ایسے دوراہے پر کھڑا تھا جہاں ایک طرف اس کی ماں تھی اور دوسری طرف اس کی زندگی اور اس وقت اسے ماں کی زندگی زیادہ اہم لگ رہی تھی، اولاد ہونے کا فرض اسے لاہور کی طرف کھینچ رہا تھا جہاں اس کی ماں موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھی۔

☆☆☆

وہ چلا گیا تھا مگر وہ جیسے کانٹوں کے بستر پر لوٹنے لگی تھی کسی پل چین نہیں مل رہا تھا۔

اگست کا مہینہ شروع ہو چکا تھا اس ملک کی تقدیر کا فیصلہ ہو چکا تھا مگر اس کی قسمت میں ابھی چین نہیں تھا، عباس کو لاہور گئے سات آٹھ دن ہو چلے تھے اور اس کی تو جیسے خوشیاں ہی اس کے ساتھ چلی گئیں تھیں۔

نواب صاحب جب کمرے میں آئے تب وہ کمرے میں ٹہل رہی تھی، انہیں آتا دیکھ کر اس نے دوپٹہ جلدی سے سر پر اوڑھ لیا، نواب صاحب کو وہ اس وقت بہت پریشان اور بیمار لگی تھی ان کا جیسے دل بھر آیا۔

''ہم ٹھیک ہیں ابا حضور، آپ نے کیسے زحمت کی ہمیں بلا لیا ہوتا۔''

''اپنی بیٹی سے ملنے کو دل چاہا، میں چلا آیا۔'' اس نے کرسی ان کے قریب کر دی، وہ بیٹھ گئے اور وہ ان کے قریب کھڑی ہو گئی۔

''میں جانتا ہوں کہ میری سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے تم نے بہت اکیلے وقت گزارہ ہے، بحیثیت باپ مجھے تمہیں وقت دینا چاہیے تھا۔'' وہ ان کے قدموں میں بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی جتنا مرضی خودسر ہو کر اس نے وہ کام کر لیا تھا مگر تھی تو وہ ایک بیٹی۔

''میں اب اس کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں، میں اپنی بیٹی کو ایک ایسا جیون ساتھی دینا چاہتا ہوں جو ہمیشہ اس کا ساتھ دے اس کے ساتھ رہے۔'' وہ بھی بات کرتے ہوئے رو دیئے انہوں نے کرسی سے اٹھ کر سلطنت کو اپنی بانہوں میں بھر لیا۔

''جیون ساتھی۔'' سلطنت کی جان جیسے حلق کو آ گئی، آنکھوں کے آگے تارے ناچنے لگے۔

''یہ کیا کہہ دیا ابا حضور نے، یا اللہ میری سننے کی طاقت کو چھین لے مجھ سے، میں ایسا کچھ بھی کر نہیں پاؤں گی۔'' اس نے روتے ہوئے دل ہی دل میں دعا کی۔

''چند روز میں آپ کا نکاح ہے۔''

ابا حضور کی آواز بہت دور سے آتی ہوئی سنائی دی، کانوں کے آگے جیسے سائیں سائیں ہو رہا تھا وہ کیا کہہ رہے تھے کہ اسے کچھ پتہ نہ تھا اسے لگا باہر گئے اور کیسے وہ مسہری تک آئی۔

''عباس آپ تو کہتے تھے کہ میں پریشان نہ ہوں، اب آپ بتائیں میں کیا کروں۔'' وہ رو رو کر عباس کے خیالوں سے مخاطب تھی، مارے خوف کے اس کا بدن کانپ رہا تھا، میں تو عباس کی امانت ہوں میں کیسے یہ سب، وہ بستر میں سر دیئے زور زور سے رونے لگی، بوا بھی سن کر سکتے میں آ گئیں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"چند روز۔"

"اب تو نواب صاحب کو بتانے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔"

"لیکن کیسے بوا، مجھ سے نہیں ہوگا یہ سب، ابا مجھے جان سے مار ڈالیں گے۔" وہ دونوں ہاتھوں کو سینے کے ساتھ جوڑے ڈر کے مارے رو رہی تھی۔

"ایک نہ ایک دن تو بتانا ہی پڑے گا، یہ باتیں چھپی تھوڑی رہتی ہیں اور ویسے بھی نکاح کے روز بتایا تو نواب صاحب کی عزت خاک میں نہ مل جائے گی، آپ آج ہی بات کریں نواب صاحب سے۔"

اسے پتہ تھا جس دن یہ بات ابا حضور تک پہنچی وہ اس کی زندگی کا آخری دن ہوگا۔

"آپ سب جانتی ہیں پھر بھی ایسا کرنے کو کہہ رہی ہیں۔"

"پھر دوسرا کون سا راستہ ہے بٹیا، آپ نے تو خود کو بھی اور مجھے بھی مشکلوں میں پھنسا دیا۔" بوا کے شکوے پر وہ ان کے قریب چلی آئی۔

"آپ ہی مجھے بچا سکتی ہیں بوا۔" وہ ان کے گلے سے جا لگی تو ان کا دل پسیج گیا۔

"دعا مانگیں مولا سے، کوئی نہ کوئی راستہ ضرور نکل آئے گا۔"

"مولا مشکل کشا میری مدد کو آیئے۔"

وہ کام اس سے ہو تو گیا تھا لیکن اس میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ وہ اپنے باپ کا سامنا کر سکتی، بیٹیاں تو ماں باپ کا مان ہوتی ہیں، لیکن جو حرکت اس سے ہوئی تھی وہ اس کے اب حضور کو یہ نامی کے اندھے کنویں میں پھینک دے گی، زمانے کی انگلیاں اٹھیں گی ان پر، وہ کس کس کے سوال کا جواب دیں گے۔

"یہ باتیں اسے اسے وقت یاد کیوں نہ آئیں۔" اس کے اندر سے جیسے کسی نے اسے جھنجھوڑ ڈالا، عباس کے پیار کی پٹی کیا اتنی مضبوطی کے ساتھ آنکھوں پر بندھی تھی کہ اسے اور کچھ بھی یاد نہ رہا۔

اپنے اندر سے اٹھنے والی آواز سن کر اس کی ہچکی بندھ گئی، وہ کیسے سمجھاتی سب کو یہ محبت میں اٹھایا گیا کوئی بھی قدم سوچنے کا موقع نہیں دیتا، اس نے عباس سے حقیقی محبت کی تھی اور وہ اس بات پر شرمندہ بھی نہیں تھی، مگر نجانے کیوں اپنے ابا حضور کو دیکھ کر اسے احساس گناہ ستانے لگتا۔

بوا کمرے سے باہر چلی گئی تو وہ کھلی کھڑکی کے سامنے آن کھڑی ہوئی، باہر تپتی دھوپ کو اپنے پروں تلے ڈھانپتے ہوئے کالی گھٹائیں دوڑی چلی آ رہی تھیں آناً فاناً سارا آسمان سیاہ رنگت اختیار کر گیا اور چھم چھم بارش برسنے لگی۔

"عباس تمہارے بغیر میں ان مشکل لمحات کا سامنا کیسے کروں۔" آنکھیں بھی برسات لٹا رہی تھیں۔

دن کب ختم ہوا رات کب آئی اور کب گئی اسے کچھ ہوش نہیں رہا تھا تو صرف یہ کہ وہ کیا کرے۔

انجان راہوں پر اپنے لئے راستہ تلاش کرتی وہ جانے کہاں کی کہاں پہنچ گئی، جانے کیسے کیسے ریگ زار پیروں میں چھید ڈال رہے تھے، کیسے کیسے سمندر حائل تھے۔

"پار کر پاؤں گی یا ان پانیوں میں ڈوب جاؤں گی۔"

ایسی ہزاروں سوچوں کو سوچتی بالآخر وہ ایک راستے پر آن کھڑی ہوئی جس پر چلنے کے سوا اسے کوئی چارہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

راستہ چن تو لیا تھا اس نے مگر وہ یہ سب کیسے کرے گی۔

بوا کے سامنے اظہار خیال کرنے کے بعد وہ ایک طرف نڈھال ہو کر بیٹھ گئی، بوا کو بھی جیسے سانپ سونگھ گیا تھا، سالوں سے وہ نوابوں کا نمک کھاتی آئی تھی، کیسے کرتی وہ یہ سب، لیکن وہی بات کہ چارہ کوئی نہیں تھا۔

☆☆☆

"میں یہ سب نہیں کر سکتا۔" اماں بستر مرگ پر لیٹی اس سے اپنی آخری خواہش کا اظہار کر رہی تھیں یوں تھا کہ بس لبوں پر جان تھی، جب سے وہ لاہور آیا تھا ان کا ایک ہی تقاضا تھا، اکبری کو اپنی زندگی میں شامل کر لو اور وہ انہیں ٹال رہا تھا، لیکن آج پھر وہی بات ان کے لبوں پر تھی۔

"میرے بھائی کی آس کو نہ توڑو عباس۔"

"اماں آپ بیمار ہیں اتنا مت سوچیں۔" اس نے بڑے پیار سے بیمار ماں کے ماتھے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"میرا بھائی مایوس لوٹا تو میں تمہیں قیامت کے روز معاف نہیں کروں گی۔"

اماں کی بات سن کر اس نے ٹھنڈی سی آہ بھری اب وہ اپنی ماں کو کیا بتاتا کہ اگر وہ اس کے ساتھ زیادتی کرتا ہے تو قیامت کے روز نہ وہ اور نہ اس کا ضمیر اسے معاف کرے گا۔

"میں اتنی دور سے صرف آپ کو ٹھیک دیکھنے کے لئے آیا ہوں، آپ اس بات کو لے کر مزید بیمار ہو جائیں گی۔"

"اماں ٹھیک کہتیں ہیں عباس چھوڑو ضد کو۔" ناہید دہلیز کے اندر قدم رکھتیں بولیں، عباس نے مڑ کر ان کی طرف دیکھا اور ان کی بات سن کر تاؤ سا کھا کر رہ گیا، ان کے پیچھے پیچھے بڑے بھیا حسن بھی کمرے میں چلے آئے، جو کافی دنوں سے ماں بیٹے میں ہونے والی گفتگو سن رہے تھے۔

گھر میں کافی رونق لگی ہوئی تھی، ناہید آپا کے بچے حیدر بھائی، بڑے ماموں ممانی، چھوٹے چچا سب لوگ بھارت کو خیر باد کہہ چکے تھے، دونوں بھابھیاں باورچی خانے تک ہی محدود ہو کر رہ گئیں تھیں، بڑی بھابھی اندر سے جل بھن گئی تھیں اتنے سارے لوگ جمع تھے گھر میں، کام تے تو فرصت نہ ملتی، زینو اور ناہید تو ماں کو سنبھال رہی تھیں۔

"میں ضد نہیں کر رہا، میرے انکار کو آپ ضد کا نام نہ دیں میں اکبری کو پسند نہیں کرتا۔" یہ بات اس نے بہت آہستہ سے کہی تھی جو صرف ناہید آپا نے سنی تھی۔

"تمہارے ہوش ٹھکانے پر نہیں ہیں میاں۔" وہ بدک کر اٹھ گئیں۔

"کیا کہہ رہا ہے یہ۔" بڑے بھیا بھی غصے سے بولے، اماں کا نقاہت سے برا حال تھا۔

"ہم سچ کہہ رہے ہیں۔"

"بڑے آئے سچ کہنے والے۔" آپا اس کا ہاتھ پکڑتی کمرے سے باہر نکل آئیں، آگے دونوں بھابھیاں دادی اماں کے ساتھ آنگن میں بیٹھی تھیں، ناہید کو یوں عباس کا ہاتھ پکڑے لے جاتے ہوئے دونوں بڑے معنی خیز انداز میں ہنسیں۔

"جانے کیا چل رہا ہے ان ماں بیٹوں اور بیٹیوں کے درمیان۔" چھوٹی بھابھی بولیں۔

"ہمیں کیا لگے جو مرضی چلے۔" بڑی بھابھی نے نخوت سے ناک سکوڑی۔

"کیوں بڑے بھیا نے کوئی بات نہیں کی ہوتے تو وہ بھی ان کے ساتھ ہی ہیں۔"

"بڑے گھنے ہیں، اندر کی بات کبھی نہیں بتاتے اور ہمیں کیا ان کے معاملے میں خود ہی سمیٹیں۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"سچی بھابھی حسین تو ایسے نہیں ہیں، ہر بات کا ذکر کرتے ہیں وہ میرے ساتھ، اندر باہر کی ساری باتیں۔" چھوٹی بھابھی نے پتہ نہیں ظہورن بھابھی کو جلانے کے لئے یہ بات کہی تھی یا واقعی وہ ایسے تھے، ظہورن بھابھی کے چہرے کے تیور یکدم بدل گئے۔

"خوش قسمت ہو دیورانی صاحبہ جو میاں صاحب دل کی بات نہیں چھپاتے ہمیں تو یہ بھی نہیں پتہ ہوتا کہ ان کی جیب میں کتنے پیسے ہیں، دل کی بات تو دور ہے۔"

☆☆☆

"بولو کوئی اور تو نہیں دیکھ رکھی۔" ناہید آپا نے کمرے کا دروازہ بند کرتے ہوئے سوال دغا۔

"دیکھ رکھی بھی ہو تو کیا فرق پڑتا ہے۔" وہ سنجیدہ سا ان کی غصے سے بھری شکل دیکھ رہا تھا۔

"میں دیکھ رکھی بھی ہو تو واقعی ہمیں کوئی فرق نہیں پڑتا، ہمارے لئے جو اکبری ہے وہ کوئی اور ہو ہی نہیں سکتی۔"

"آپا آپ ہماری بڑی بہن ہیں، آپ تو سمجھیں ہمارے دل کی بات۔"

"تمہیں سمجھوں یا ماں کو دیکھو جو بستر مرگ پر ہے، تمہیں اپنا ارادہ بدلنا ہوگا۔" وہ بضد تھیں، وہ اپھ کر بددل سا اپنے کمرے میں چلا آیا۔

مجبوریاں تو انسانی زندگی کے ساتھ ساتھ چلتی ہیں انسان چاہے جتنا مرضی ان سے پیچھا چھڑائے۔

سلطنت کا چہرہ نظروں کے سامنے آیا تو اس کا دل غم سے بھر گیا جانے کس حال میں ہوگی وہ، زینو اس کے لئے چائے کا کپ لائی۔

"آپ کو اس حال میں دیکھ کر میرا دل بہت جلتا ہے بھیا۔" چائے پکڑانے کے بعد وہ خود بھی اس کے قریب بیٹھ گئی۔

"وہ نواب زادی بہت یاد آتی ہیں؟"

عباس کو لگا جیسے کسی نے بہت بھاری پتھر اس کے سینے پر لا رکھا ہو، تکلیف سی محسوس کرتے ہوئے اس کی آنکھیں بھر آئیں اپنے دکھ کو اپنے اندر رکھ کر وہ نڈھال ہو چلا تھا کسی کے ساتھ تو وہ اپنے دل کی بات کہے۔

"وہ نواب زادی آپ کی بھابھی بن چکی ہے۔" دھپ کر کے کوئی چیز زینو کے سر پر آن گری۔

"بھابھی۔"

"ہاں میں سول میرج کر چکا ہوں۔"

"بھیا لیکن اماں، اکبری۔" حیرانگی سے اس کا منہ کھل گیا۔

"یہ بات میں نے صرف تم سے کہی ہے، کسی کو علم نہیں ہے۔" اس کا انداز سمجھانے والا تھا۔

"وقت آنے پر سب کو بتا دوں گا۔"

بیمار ماں کا سوچتے ہوئے زینو کے اوسان خطا ہو رہے تھے، وہ تو نواب زادی کے ساتھ بھیا کے چکر کو بس چکر ہی سمجھ رہی تھی اسے یقین نہیں تھا کہ بھیا اتنا بڑا قدم اٹھا لیں گے۔

☆☆☆

اس محبت نے بڑے بڑے قدم اٹھانے پر مجبور کر دیا تھا۔

اک آخری نظر اپنے بنگلے پر ڈالتے ہوئے اس کا رواں رواں اشک بار تھا، اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں تھا کہ وہ یہ گھر چھوڑ دے، وہ اپنے ابا حضور کا سامنا نہیں کر سکتی تھی، اپنے اپنے پیارے رشتوں کو چھوڑ کر وہ اپنے گھر کی دہلیز پار کر آئی تھی، رات کے اندھیرے میں بنگلے پر پھیلے چاندنی کے سائے، کل صبح بدنامی کے دھبوں میں بدل جائیں گے، یہ گھر آج رات تک

عزت و احترام کا مرکز ہے، کل کا ابھرتا سورج اپنے ساتھ لوگوں کی اس گھر پر اٹھتی انگلیاں بھی لائے گا، کیا کیا نہ ہوگا کل، کل کل، اس نے اپنی سیاہ چادر کو اپنے سراپے پر پھیلے ہوئے دیکھتے سوچا، یہ چادر کیا چھپا پائے گی اس گناہ کو جو وہ کرنے جا رہی تھی، اپنے باپ کو "بدنامی" جیسے قاتل کے ہاتھوں سونپنا، کیا یہ گناہ نہیں ہے؟ کیسے کل کو وہ اس سڑک پر چلتے لوگوں کا سامنا کریں گے، کیا ان کی اٹھتی نظریں چھید نہ ڈالیں گی ان کے بدن میں۔

کیسے کیسے سوال تھے جو اس کا ضمیر اس کے گرد دائرہ کھینچے اس سے کر رہا تھا، آنسوؤں کی مالا تھی جو ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر رہی تھی، کیا بکھری ہوئی چیزیں سمیٹی جا سکتی ہیں؟ ہاں اس کے اندر سے پکارسی گونجی، چیزیں سمیٹی جا سکتی ہیں مگر دل کے ٹکڑے اور زمانے کے ہاتھ آئی بات، کوئی سمیٹ نہیں سکتا، چاہ کر بھی نہیں۔

ندامت کے بادل جیسے اس کے گرد جمع ہونے کی کوشش کر رہے تھے بار بار اس کا ذہن اس نقطے پر آ رہا تھا کہ جیسے اس سے غلطی سرزد ہوئی ہے، محبت غلط نہیں ہوئی ہاں کبھی کبھی اس کو پانے کے غلط طریقوں کا استعمال انسان کر بیٹھتا ہے جس سے محبت بھی بدنام ہو جاتی ہے۔

مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا وہ دہلیز پار کر آئی تھی اپنے گھر کی۔

☆☆☆

تاروں بھرے آسمان کے نیچے تنہا و پریشان دل کے ساتھ وہ تخت پر لیٹا تھا چھت پر کوئی اور نہیں تھا اور اس وقت وہ کسی اور کی موجودگی چاہ بھی نہیں رہا تھا۔

کل رات سے اس کا دل بہت پریشان سا تھا سارا دن بھی یونہی گزرا، پتہ نہیں سلطنت کیسی ہے، وہ حقیقت میں اس کی وجہ سے پریشان تھا، اسے ایسے لگ رہا تھا جیسے اس کی کوئی بہت اہم شے اس سے جدا ہو رہی ہے، یا چھن گئی ہے۔

کیا کروں اور کیسے حل کروں اس مسئلے کو۔

سارے گھر والے آنگن میں اپنی چارپائیوں پر پہنچ چکے تھے لیکن اس نے زینو سے کہہ کر اپنا بستر چھت پر بچھوایا تھا، وہ تنہائی چاہتا تھا جہاں وہ ہو اور سلطنت کا خیال، تھوڑی دیر پہلے وہ اماں کے پاس سے اٹھ کر اوپر آیا تھا، وہ جب بھی ان کے قریب ہوتا اور اگر وہ زبان سے کہہ نہ پاتیں تو ان کی آنکھیں اس کے دل پر کڑا ہاتھ ڈال لیتیں، وہ اس کی ماں تھیں انہیں یوں اس حال میں بھی دیکھ نہیں سکتا تھا۔

بڑے ماموں اپنی فیملی سمیت پرسوں سے ابرار میاں کے ہاں گوالمنڈی میں تھے، ناہید آپا کے ساتھ ساتھ حسن بھیا کی شکوہ کناں نظریں اسے جیسے مجرم ٹھہراتی رہتیں، سب کا خیال تھا کہ اب اگر اماں یوں موت کی طرف بڑھ رہی ہیں تو اس میں اس کی "نہ" کا زیادہ دخل ہے۔

گھر میں صرف زینو تھی یا اس کے بعد اس کی دادی جان جو اسے جان سے بھی زیادہ چاہتی تھیں، وہ تھیں جنہوں نے کبھی اس سے اس بات کا ذکر نہیں کیا تھا۔

"میرے لال کی بھی مان لو کیا ہرج ہے اچھا سمجھ دار بچہ ہے کوئی غلط فیصلہ تھوڑی کرے گا اپنے بارے میں، اپنی مرضی ضرور تھوپنا ہے اس پر۔" مگر ناہید آپا انہیں چپ کروا دیں۔

"دادی اماں اس کے بڑے ہیں اس کا اچھا برا سوچنے کے لئے، اپنی من مانی کر کے ہم اس کی زندگی تباہ نہیں ہونے دیں گی۔"

آپا کی بات سوچ کر اس کے اندر ایک بار پھر غصہ سا بھر گیا، اس لئے اسے کچھ بھی اچھا نہیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

لگ رہا تھا۔

ہوا برائے نام ہی چل رہی تھی جس زدہ سی فضا نے ماحول کو عجیب افسردہ سا بنا دیا تھا، اس نے کچھ سوچتے ہوئے کروٹ بدل لی تو ساتھ ہی کسی کے قدموں کی چاپ سن کر اس نے اوپر کو اتنی سڑھیوں کی طرف اپنا رخ موڑ لیا، زینو پانی کا گلاس ہاتھ میں پکڑے اس کے قریب چلی آئی اور اسے جاگتا پا کر پانی سے بھرے جگ کو چھوٹے سے لکڑی کے اسٹول پر رکھ کر اس کے پیروں کی طرف بیٹھ گئی۔

"آپ سوئے نہیں ابھی۔" زینو کے پوچھنے پر اس نے اپنی کھلی آنکھیں بند کرلیں۔

"ناہید آپا کی باتیں بری لگیں آپ کو؟" زینو سمجھ گی کہ تھوڑی دیر پہلے ناہید آپا جو اس سے باتیں کر رہی تھیں وہ انہوں نے دل پر لے لی ہیں۔

"آپ پریشان کیوں ہوتے ہیں۔" اس نے جیسے اسے اپنی طرف سے دلاسہ دینا چاہا مگر وہ تو جیسے آگے بھرا پڑا تھا ایک دم پھٹ پڑا۔

"کیسے پریشان نہ ہوں، بولو زینو۔" وہ ایک جھٹکے میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"میری زندگی داؤ پر لگی ہے اور سب کو اپنی اپنی پڑی ہے، کوئی میرے بارے میں بھی سوچ رہا ہے۔" آج پہلی دفعہ وہ اتنے جوش سے بولا تھا۔

"سلطنت نہ جانے کس حال میں ہوگی، میں اسے جس حال میں چھوڑ کر آیا ہوں میرا دل ہی جانتا ہے۔" اس نے ماتھے پر ہاتھ رکھ لیا اور کسی احساس کے تحت اپنی انگلیوں سے اپنے ماتھے پر آئے بالوں کو جھنجھوڑنے لگا۔

"میں اس کے بغیر خوش نہیں رہ سکتا۔" زینو سے عباس کی حالت دیکھی نہ جا رہی تھی۔

"اتنی محبت کرتے ہیں آپ ان سے۔" بنا دیکھے ہی زینو کو سلطنت پر ڈھیروں پیار آ رہا تھا جس نے اس کے جوان بھائی کو اپنے پیار سے اپنی زلفوں کو اسیر بنا لیا تھا۔

"ایک بات کہوں عباس بھیا۔" عباس نے بند آنکھوں سے ہی "ہوں" کہا۔

"آپ اکبری سے بات کریں۔" زینو کی بات پر اس نے ایک جھٹکے سے اپنی آنکھیں کھول دیں۔

"اسے کہیں کہ وہ خود ہی اس رشتے سے انکار کر دے۔" زینو کی بات پر اسے یاد آ گیا کہ ایک دفعہ پہلے بھی وہ ایسا کرنے کی کوشش کر چکا ہے جو کہ بڑی بری طرح ناکام ہو گئی تھی بلکہ وہ تو کچھ غلط ہی سمجھ بیٹھی تھی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے وہ مان جائے گی۔" عباس نے ایسے زینو کی طرف دیکھا جیسے اس نے کوئی نادانی والی بات کہہ دی ہو۔

"کوئی لڑکی کبھی یہ برداشت نہیں کرتی کہ کوئی اسے ناپسند کرے اور پھر وہ جس سے اس کی شادی ہو رہی ہو، آپ کے انکار کو اپنی بے عزتی سمجھ کر وہ میرا خیال ہے انکار کر دے گی۔" زینو کی بات اسے پسند آئی تھی شاید اب کی بار کام بن جائے اور وہ اپنے منہ سے خود ہی انکار کر دے۔

☆☆☆

"آگرہ۔" شاہان مغلیہ کی ایک عظیم یادگار، یہ وہ شہر ہے جہاں آ کر لوگ محبت پر یقین پاتے ہیں جس کے ذرے ذرے نے دنیا کو محبت کر کے اسے نبھانے کی تعلیم دی ہے۔

کوئی امیر ہو یا غریب، یہ ایسا جذبہ ہے جو سب پر یکساں نچھاور کیا جاتا ہے، کوئی جھونپڑے میں بیٹھ کر اس کی ترماہٹ کو دل میں محسوس کرتا

ہے اور کوئی محلوں میں اس کی پکار سنتا ہے۔

محبت زندگی تک کا رشتہ نہیں ہے اس کا تعلق مرنے کے بعد بھی قائم رہتا ہے اور اس بات کا ثبوت اسی شہر میں ملتا ہے۔

"تاج محل" سفید سنگ مرمر سے بنا ایک حسین شاہکار، جسے دیکھ کر دل میں سویا محبت کا دیوتا جاگ اٹھتا ہے اور پکار پکار کر کہتا ہے۔

"اے لوگو! میں محبت ہوں، مہد سے لحد تک میں تمہارے ساتھ ہوں، میرے دم سے اس دنیا کی رنگینی ہے، یہ دنیا ایک ایسی کشتی ہے، جو ہر وقت طوفانوں کی زد میں رہتی ہے، میرا ساتھ تمام تکالیف سے نجات دے دیتا ہے۔"

تاج محل اس کے ٹھنڈے سفید سایوں میں بیٹھ کر دنیا کا غم پل بھر کے لئے کہیں غائب ہو جاتا ہے اس کے ساتھ بہتی جمنا، صدیوں سے پیار اور ملن کے گیت گاتی آگے بڑھتی رہتی ہے اور اپنی طرف آنے والوں کو بتاتی ہے کہ یہ تاج محبت کرنے والوں کی پناہ گاہ ہے اس کے سائے تلے جو بھی آئے گا وہ سمجھ محبت کے سائے تلے چلا آیا۔

بوا اسے اپنے ساتھ آگرہ لائی تھیں جہاں ان کی رشتے کی بہن حمیدہ بانو رہتی تھیں، وہ ان کے ساتھ ایک ایسے گھر کے سامنے کھڑی تھی جو اس کے نوکروں کے شایان بھی نہیں تھا۔

ٹوٹا پھوٹا کچی مٹی سے بنا گھر جس کا خستہ حال دروازہ اپنی بے بسی پر آنسو بہاتا اندر آنے کے لئے خود ہی راستہ دے رہا تھا، چھوٹی چھوٹی دیواریں جن کو کوئی بچہ بھی پھلانگ سکتا تھا ایک دو جگہ سے ٹوٹی ہوئی تھیں، ٹوٹی ہو جگہ پر جھاڑ جھنکار کھڑی کر کے راستہ روکا کیا تھا، لمبی سی گلی اور گلی کے دوسری طرف قبرستان، اس کا دل دہل گیا، کیا یہاں رہنا ہے اسے، اس نے آنسو پیتے ہوئے بڑے کرب سے سوچا اور بوا کے ساتھ اندر چلی آئی، اندر بھی باہر والی حالت تھی، بڑے سے سیلن زدہ آنگن کی ایک نکڑ میں چھوٹا سا کمرہ جس کے آگے ٹاٹ کا پردہ لٹک رہا تھا پردے پر جنم جنم کی میل جمی ہوئی تھی اسے دیکھ کر ابکائی آ گی بڑی مشکل سے اس نے خود کو روکا۔

اپنے ہاتھ میں مختصر سا سامان پکڑے بوا اس کے آگے آگے چل رہی تھی، برسات کے دن تھے، بارش برس کر تھم چکی تھی مگر آنگن میں جگہ جگہ بارش کا پانی جوہڑوں کی صورت میں موجود تھا، وہ اپنی شلوار کے پائنچے اوپر کو اٹھاتی قدم بڑھانے لگی تو غیر ارادی طور پر اس کی نظر اپنے پیروں پر ٹک گئی، سفید نرم و ملائم گداز سے بھرے پاؤں، کیا یہ ایسی جگہوں پر چلنے کے قابل ہیں اس کے گلے میں جیسے جھاڑیوں سی اگ آئیں نوکیلی خاردار، اسے لگا جیسے اس کے سانس کو کوئی ململ کے دوپٹے کی طرح نوکیلی جھاڑیوں پر سے کھینچ رہا ہو، آنسوؤں کی مالا ٹوٹ ٹوٹ کر اس کی چادر میں جذب ہونے لگی۔

بوا نے مڑ کر اسے دیکھا اور اس کی حالت کو دیکھتے ہوئے اسے گلے سے لگا لیا۔

"نہ میری بچی نہ رو، میں ہوں تیرے ساتھ، پتہ نہیں کتنے دکھ لکھے ہیں تیری قسمت میں۔" بوا کے دلاسے پر اس کے دل کا بوجھ کچھ کم سا ہوا بوا نے اس کا ہاتھ پکڑا اور کمرے میں لے آئیں، جہاں حمیدہ بانو پرانی سی کھٹیا پر لیٹی خراٹے لے رہی تھیں، بوا نے بڑے شرمندہ سے انداز میں اسے جگایا تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی اور بھی دونوں خالہ زاد بہنیں اک دوسرے کے گلے لگیں۔

ملنے ملانے کے بعد حمیدہ بانو سے بڑی متجسس نظروں سے سلطنت کا جائزہ لیا، "اس گھر

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

میں یہ نایاب ہیرا" انہوں نے بوا کو کچھ کر پوچھا، بوا نے ساری بات ان کے گوش گزار کردی۔

"ہائے ری قسمت کی ماری، ساری نصیب کی بات ہے کہاں لکھنو کے محل اور کیا آگرہ کا یہ کچا مکان، چلو کوئی بات نہیں آج سے اسے بھی اپنا گھر ہی سمجھو۔" حمیدہ بانو لالچی سی عورت تھی، خاوند کے مرنے کے بعد وہ اکیلی ہی تھی، بچہ وچہ کوئی نہیں تھا، بس ایسے ہی ادھر ادھر کے کام کر کے وہ اپنا گزارہ کرتی تھی اب بھی بوا نے اسے چار پیسے پکڑا دیئے تھے اسی لئے بڑی کھلی کھلی پھرنے لگی۔

سلطنت کو اس نے چادر سیدھی بچھا کر بیٹھنے کے لئے کہاں تھا لیکن وہ نازوں کی پلی جس کی مسہری پر بھی گلاب کی خوشبوئیں چھڑکی جاتی تھی، وہ کیسے بیٹھتی اتنی گندی جگہ پر، بوا سب کچھ سمجھتی تھی اس لئے قریب پڑی لوہے کی کرسی، انہوں نے سلطنت کے آگے رکھ دی اور التجائی نظروں سے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"اب یہیں رہنا ہے آپ کو۔" بوا کے سمجھانے پر وہ اپنے دل کو سنبھالتی کرسی پر بیٹھ گئی، بوا بھی اسی عورت کے ساتھ باہر چلی گئیں۔

کمرے کے اندر ہی مٹی کا چولہا تھا اس کے پاس ہی کھانے پکانے کی چیزیں یونہی کھلی پڑیں تھیں، چولہے کے اردگرد راکھ بکھری ہوئی تھی، قریب ہی ٹوٹی ہوئی صراحی، دو تین جگہوں پر گھی گرا ہوا تھا، ان سب چیزوں نے کتنا گندا ماحول پیدا کیا ہوا تھا، اس کا دل چاہا وہ دوڑ جائے یہاں سے، اسے نہیں رہنا ایسی جگہ، مگر اب وہ دوڑ کر آگے اور کہاں جاسکتی تھی، ابھی یہ سلسلہ شروع ہوا تھا جسے پتہ نہیں کہاں جا کے رکنا تھا۔

☆☆☆

زینو کو ساتھ لے کر وہ گوالمنڈی آیا تھا اکبری سے بات کرنے، زینو کو وہ اس لئے لایا تھا تاکہ کچھ ایسا ماحول بن سکے جس سے با آسانی وہ اس سے بات کر سکے۔

سب سے ملنے ملانے کے بعد زینو بڑے طریقے کے ساتھ ان دونوں کو چھت پر تنہا چھوڑ کر آئی تھی، بڑے ماموں گھر نہیں تھے۔

"میں شروع دن سے جانتی ہوں کہ آپ مجھے نہیں چاہتے، اس کے باوجود میں آپ سے بے انتہا محبت کرتی ہوں اس لئے نہ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" اکبری کی اتنی بے باکی پر اسے حیرت کا جھٹکا لگا۔

"محبت اور مجھ سے؟"

"یہ بات آپ نہیں جانتے کیونکہ آپ نے کبھی جاننے کی کوشش نہیں کی۔" عباس سن کر جیسے تپ سا گیا وہ کیا کہنے آیا تھا اور کیا سن رہا تھا، وہ آج پہلی دفعہ اس سے اتنی لمبی بات کر رہا تھا۔

"میں نے جاننے کی کبھی ضرورت محسوس نہیں کی کیونکہ میں تم سے محبت نہیں کرتا۔" اکبری کے اندر جیسے کوئی تیر سا چبھ گیا، بچپن سے وہ ذہنی طور پر تیار ہو چکی تھی، عباس پر یہ رشتے والی بات بہت بعد میں کھلی تھی مگر اکبری پر جلد ہی یہ راز افشا ہو گیا تھا اس لئے اس کی دھڑکنوں نے اسی نام کی مالا جپنا شروع کر دی تھی۔

اکبری نے غم سے بوجھل پلکیں اٹھا کر عباس کی طرف دیکھا تو وہ نظریں پھیر گیا۔

"میں کسی اور سے محبت کرتا ہوں او شادی بھی اسی سے کروں گا۔"

"آپ کا مطلب سمجھ گئی میں، آپ چاہتے ہیں کہ پھر بھی اماں کو میں خود ہی جواب دے دوں، آپ میں ہمت نہیں ہے ماں کا دل دکھانے کی۔" وہ جوش سے بولی۔

"جایئے میں انکار نہیں کرتی۔"

یہ کیسا تکرار تھا جو وہ کر رہی تھی، عباس پہلے ہی اس بات کو لے کر بہت پریشان تھا اور اوپر سے اکبری کا یہ رویہ، وہ غصے سے اس سے منہ پھیر کر کھڑا ہو گیا، محبت میں کیسا کیسا وقت آجاتا ہے، اس نے پریشان ہو کر خود سے کہا، کیا کروں میں، سوچنے کی جیسے صلاحیت کسی مفلوج ہو گئی تھی، وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہا تھا، لیکن کچھ تو کرنا تھا، اس نے جیسے کچھ کہنے کے لئے پھر دوبارہ اس کی طرف رخ موڑا۔

"میں تم سے محبت نہیں کرتا اور شادی کے لئے محبت بھی ضرور ہونی چاہیے۔"

"کوئی بات نہیں محبت بھی ہو جائے گی شادی کے بعد۔" اس کا وہ دلبرانہ انداز اسے حقیقت میں چڑا رہا تھا۔

"اس غلط فہمی میں نہ رہنا۔" عباس کے چہرے کا رنگ یکدم بدل گیا اسے لگا جیسے اسے کسی نے چیلنج کر دیا ہو۔

"سید عباس زیدی صرف ایک بار کسی کی زلفوں کا اسیر ہوا ہے، بار بار وہ کسی کے دام نہیں آتا۔" وہ اتنے مضبوط لہجے میں پورا ناپ تول کر بولا تھا کہ ایک دفعہ تو اکبری کے بھی پاؤں ڈگمگا گئے۔

"میرے ساتھ شادی کا مطلب ہے کانٹوں پر چلنا اور وہ بھی نوکیلے۔" اکبری پر اک تلخ نظر ڈال کر وہ سیڑھیاں اترنے لگ گیا۔

باورچی خانے میں کھڑے ہو کر بھی اس کا ذہن انہی کی باتوں کی طرف دوڑ لگائے ہوئے تھا۔

"اگر جو وہ کہتے ہیں انہوں نے کر دکھایا تو؟" بڑا سا سوالیہ نشان اس کے گرد دائرہ کھینچ گیا، مگر اس کا دل نہیں مان رہا تھا۔

"وہ جتنا خود کو ظالم پیش کر رہے ہیں اتنے وہ ہیں نہیں، وہ بس مجھے روکنے کے لئے ایسا کہہ رہے ہیں، وقت کے ساتھ وہ اسے بھول جائیں گے۔" اپنے دل کو دلیلیں دے کر اس نے شانت کر دیا تھا۔

☆☆☆

ملک کی قسمت کے ساتھ ساتھ عباس کی قسمت کا فیصلہ بھی ہونے جا رہا تھا، گھر میں وہ یوں پریشان حال پھر رہا تھا جیسے اس کی کوئی بہت اہم شے کہیں کھو گئی ہے، اماں کل رات سے بے ہوش تھیں اماں کی حالت گھر کے ہر فرد کے لئے پریشانی کا باعث بنی ہوئی تھی، بہرحال ماں بھی اس کے لئے مقدم تھی، اپنی طرف سے تو اس نے ہر حربہ استعمال کر کے دیکھ لیا تھا، مگر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔

اب بھی سب لوگ اماں کے قریب جمع تھے، تھوڑی دیر پہلے انہیں ہوش آیا تھا، ڈاکٹر صاحب دیکھ کر گئے تھے اور انہوں نے کہا تھا کہ انہیں کوئی ذہنی تکلیف نہیں ملنی چاہیے، ناہید آپا اور زینو کی آنکھیں رو رو کر لال ہو چکی تھیں کیونکہ ڈاکٹر نے کھلے لفظوں کہاں تھا کہ بس اب ان کے لئے دعا کیجئے دوا کا وقت نہیں رہا۔

ماں تو ماں ہوتی ہے عباس بھی ان کے پلنگ کے قریب بیٹھا ان کا بازو پکڑے رو رہا تھا، نقاہت کے باوجود انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سینے سے لگا لیا تھا، بڑے ماموں ممانی اور دونوں بھابیاں بھی وہاں موجود تھیں، دادی اماں خود ہی بیمار تھیں اس لئے زینو نے ان کا پلنگ باہر ہی بچھوا دیا تھا، ابا میاں بھی عباس کے انتظار میں بیٹھے تھے، بی بی کی حالت دیکھی نہ جا رہی تھی۔

"اری دلہن۔" دادی اماں کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

"میرا وقت تم کیوں لے رہی ہو، کتنے چاؤ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

سے بیاہ کر لائی تھی میں تمہیں، اتنی جلدی سدھارنے لگیں۔" دادی کی بات سن کر سب ہی رونے لگے، عباس نے مڑ کر زینو کو دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ سمجھایا، وہ بھی ان کی نظروں کا مطلب سمجھتی جلدی سے باہر نکل کر دادی اماں کو مزید کچھ بھی کہنے کے لئے روکا اماں کی حالت پہلے ہی ایسی ہے اوپر سے ان کی باتیں۔

اماں نے ہاتھ کے اشارے سے عباس کو اپنے منہ کے قریب بلایا تھا اور اس کے کان میں کچھ کہا۔

"اسے میری وصیت ہی سمجھ لو۔" اماں کی بات سن کر اور وقت کی نزاکت سمجھتے ہوئے اس نے سر کو ہاں میں ہلا دیا تھا لیکن پھر ہاں کرنے کے بعد وہ ان کے سینے سے لگا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا، بے رحم وقت کا ایک زوردار طمانچہ اس کے منہ پر لگا تھا، وقت کس موڑ پر اسے لے آیا تھا جہاں کچھ بھی ٹھیک نہیں ہو رہا تھا، اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کس کے ساتھ انصاف کر رہا ہے اور کس کے ساتھ بے انصافی۔

☆☆☆

نکاح نامے پر سائن کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں تیرتے پانی کی حقیقت صرف زینو پر آشکار تھی۔

دستخط کیا ہوئے اس کی تو جیسے کایا ہی پلٹ گئی، گھر کے حالات ملکی حالات، وہ جیسے ہر طرف سے کسی زبردست گھیراؤ میں آ گیا۔

پاکستان اور ہندوستان کے بیچ کبھی نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا، دونوں سرحدوں کے درمیان اتنی اونچی فصلیں کھڑی ہو گئیں جن کو کوئی پار نہیں کر سکتا تھا۔

"سلطنت کا کیا حال ہو گا۔" اسے اندر ہی اندر یہ بات کھائے جا رہی تھی وہ خود کو اس کا مجرم سمجھ رہا تھا۔

"اس کے ابا حضور نواب صاحب علی نے جانے اس کے ساتھ کیسا سلوک کیا ہو گا نکاح کا سن کر انہوں نے کہیں۔" دل پر جیسے یہ سوچ برچھی سے کوئی گھونپ دیتا اوپر تلے مصیبتوں کا ایک تانتا سا بندھ گیا تھا۔

اماں کی موت نے اسے ہلا دیا تھا وہ کس کس بات کا غم کرتا، کوئی ایک دکھ تھوڑی تھا اسے تکلیف دینے کو، اماں تو مرنے سے پہلے بھائی کے سامنے سرخرو ہو گئیں تھیں مگر وہ خود کا سامنا کرنے کے قابل بھی نہ رہا۔

"کیا جواب دوں گا میں خود کو اور اس کو۔" غم کی تصویر بنا وہ اک نئی زندگی کا آغاز کر رہا تھا۔

☆☆☆

دونوں ملکوں کے جھنڈے اپنی اپنی سرحدوں پر لہرا دیئے گئے تھے، اس تقسیم نے مظالم کا ایسا بازار گرم کیا تھا جس کو سوچ کر بھی روح کانپ اٹھتی ہے۔

عباس کی زندگی میں بھی طوفان آیا تھا جو اس کا سب کچھ بہالے گا اس کی سلطنت اس سے چھن گئی تھی، رہ رہ کر اسے وہ زمانہ یاد آ رہا تھا، اپنے کمرے میں وہ مسہری پر لیٹا تھا، عباس کے ساتھ ہی زینو کا بھی سالار سے نکاح ہو گیا تھا اور وہ اسے لے کر کراچی چلا گیا تھا۔

سلطنت کے ساتھ بیتے لمحوں کا فسوں نشہ بن کر اس کی نس نس کو مہکائے ہوئے تھا، وہ مختصر لمحے جو اس کی زندگی میں بہار بن کر آئے تھے، اس کی ویران ہوئی زندگی کو مہکا رہے تھے، اپنی بیتے لمحوں کو بانہوں کے ہالے میں لئے وہ اپنے روز و شب گزارنے لگا تھا۔

اب بھی وہ اپنے کمرے میں لیٹا تھا جب اکبری سرخ جوڑے میں ملبوس اس کے لئے ٹھنڈے پانی کا گلاس لائی تھی، اپنے خیالوں میں گم اسے اکبری کے آنے کی خبر نہ ہوئی وہ ویسے ہی لیٹا رہا، اکبری نے پانی سے بھرا گلاس مسہری کے قریب پڑے چھوٹے سے گول میز کے اوپر رکھ دیا اور خود وہ اس کے قریب آ بیٹھی، عباس اس کی آہٹ سن کر چونک گیا۔

کچھ لمحے یونہی دونوں چپ چاپ بیٹھے رہے پھر نہ جانے کیا سوچ کر عباس اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور باہر جانے لگا، پچھلے پندرہ بیس دن سے یہ اس کی عادت بن گئی تھی وہ جب بھی اس کے پاس آتی وہ کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے اٹھ جاتا مگر آج وہ بھی ٹھان کر آئی تھی، اس نے جلدی سے عباس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

اس کی اس حرکت پر عباس نے تیوری چڑھائے غصے سے اسے دیکھتے ہوئے اس کا ہاتھ جھٹک کر اپنا ہاتھ چھڑا لیا، شرمندگی کے باعث اکبری کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

"مجھے میرا گناہ تو بتائیں، مجھ سے کیا بھول ہو گئی۔"

"میرے ساتھ شادی کرنا تمہاری زندگی کی سب سے بڑی بھول ہے، یہ میں نے پہلے ہی بتا دیا تھا۔" اکبری کا دل جیسے مٹھی میں آ گیا، وہ مرد جس سے وہ اتنی محبت کرتی تھی کہ اس کا دل ہی جانتا تھا اس کا یوں بار بار ٹھکرانا اسے دیوانہ بناتے جا رہا تھا۔

"میں آپ کی بیوی ہوں، آپ پر سارے حق رکھتی ہوں، پندرہ بیس دن ہونے کو آئے آپ نے ابھی تک مجھے چھوا نہیں۔" وہ روتی ہوئی اس کے ہاتھ کو دیکھ رہی تھی جو تھوڑی دیر پہلے اس کے ہاتھ میں تھا، سارا کچھ میرا ہونے کے باوجود میرا کچھ بھی نہیں ہے۔

"میں نے تمہیں بہت سمجھایا تھا لیکن تم نہیں مانی اب اسے سزا سمجھو یا کچھ اور۔" بات کہہ کر وہ پھر باہر جانے لگا تو وہ برق رفتاری سے اس کے آگے کھڑی ہو گئی۔

"کون ہے وہ جس نے میرا حق چھینا ہے مجھ سے۔" وہ بولا کچھ نہیں بس خاموشی سے کھڑا رہا۔

"میں آپ سے پوچھ رہی ہوں۔"

"میں اس کا یہاں ذکر ضروری نہیں سمجھتا اور میرا راستہ روک کر کھڑے ہونے کی ضرورت نہیں ہے تم کو۔" اس نے ایک جھٹکے سے اسے ایک طرف کر دیا اور باہر چلا گیا۔

☆☆☆

وقت ایک ایسا ساتھی ہے جو ساتھ ساتھ تو چلتا ہے مگر نظر نہیں آتا، احساس تک نہیں ہونے دیتا ہے کہ میں ساتھ ہوں۔

ہندوستان کی تقسیم کو پانچ ماہ سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا تھا وہ لوگ جو اس عظیم تقسیم کے گرداب میں پھنسے تھے وہ ابھی نکل نہیں پائے تھے، اس تقسیم نے وہ عظیم بربادی جنم دی جو تاریخ عالم میں اس سے پہلے نہ کسی نے دیکھی نہ سنی، ظلم کے وہ باب رقم ہوئے جنہیں نسلیں یاد رکھیں گی، یہ وہ تقسیم تھی جس نے ہندوستان کے امراؤ کو سڑکوں پہ لا پٹخا اور غریبوں کو محلوں میں لا بٹھایا۔

غم کے ایسے ایسے پہاڑ لوگوں کی زندگیوں پر ٹوٹے جن کا کوئی ازالہ نہیں کر سکتا تھا اور کچھ ایسا ہی غم سلطنت کی جھولی میں بھی آن گرا تھا جس نے اسے توڑ کر رکھ دیا تھا۔

"عباس کی جدائی اور ابا کی رسوائی۔" ناسور بن کر اسے اندر ہی اندر ختم کئے جا رہے تھے۔

غم سے گھڑی اس زندگی میں اسے اک خوشی بھی بن مانگے مل گئی تھی وہ عباس کے بچے کی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ماں بننے والی تھی، بس یہی بات تھی جو زندہ رہنے پر مجبور کر رہی تھی ورنہ وہ جن حالات سے گزر رہی تھی زندہ رہنے کا کوئی تک نہیں بنتا تھا، اب بھی وہ اس گھر کے چھوٹے سے سیلن زدہ آنگن میں کھٹیا بچھائے بیٹھی تھی، نواب رجب علی خان کی بیٹی، اس نے ٹھنڈی سے آہ بھری، سامنے قبرستان سائیں سائیں کر رہا تھا دل تو پہلے ہی اداس تھا اور اوپر سے ایسا ماحول، زندہ رہتے ہوئے مردوں کے ساتھ جینا کتنا مشکل ہوتا ہے۔

دسمبر کی شام دھیرے دھیرے ڈھل رہی تھی، بوا کسی کام سے باہر گئیں تھیں انہوں نے اسے صرف آرام کی ہدایت کی تھی اور پچھلے پانچ مہینوں سے وہ آرام ہی کر رہی تھی۔

ڈھلتی سرد شام کی ویرانی اک ویران دل ہی جان سکتا ہے، وہ دل جس نے ایسا زخم کھایا تھا جس کی کوئی دوا نہیں تھی۔

دروازے پر ہلکی سے دستک سن کر وہ سنبھل کر بیٹھ گئی، ذہن جو ماضی کے دھندلکوں میں الجھا ہوا تھا لوٹ آیا، وہ اٹھی اور دروازے کی طرف گئی، ''رفیق ہریانوی'' اس کا دل نام سن کر زور زور سے دھڑکنے لگا ان گزرے پانچ مہینوں میں یہ آدمی کوئی بیس دفعہ آیا تھا اور آتا بھی اس وقت جب بوا اور خالہ گھر نہ ہوتیں وہ اس کھٹیا کا مالک تھا کرائے کے بہانے یونہی چکر لگاتا رہتا سلطنت کو اس کی گندی نظریں بہت بری لگتی تھیں، اس نے اب پھر بہانہ کر کے اسے ٹال دیا تھا۔

☆☆☆

''اب سو بھی جاؤ بٹیا اور کتنی دیر تک جاگو گی۔'' بوا یہ بات کوئی تین دفعہ کہہ چکی تھیں مگر اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔

''نیند نہیں آ رہی بوا۔'' وہ بوا کے ساتھ فرش پر بستر بچھائے لیٹی تھی حمیدہ خالہ اس گھر کی اکلوتی کھٹیا پر لیٹی خراٹے لے رہی تھی، پچھلے پانچ مہینوں سے وہ ان کے ساتھ رہ رہی تھیں جیسے تیسے گزر رہی تھی انہیں منظور تھا، سر چھپانے کی جگہ تو تھی، کبھی کبھی بوا جب بے حال ہوتی سلطنت کو دیکھتی تو اس کا دل کٹ سا جاتا، میری بچی کن حالوں کو پہنچ گئی ہے، کہاں وہ نوابی زندگی اور کہاں یہ نوکروں سے بھی بدتر زندگی۔

''آنکھیں بند کرو گی تو آ جائے گی نیند، اس حالت میں آرام بہت ضروری ہوتا ہے۔'' سلطنت نے ہولے سے اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھ لیا تو اک انجانی سی کشش نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا، کیسا ان دیکھا رشتہ تھا یہ، اس کے دل میں جیسے ڈھیروں پیار بھر گیا۔

''میرے عباس کا بچہ۔'' اس نے کچھ سوچتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں تو عباس کا وجیہہ سراپا اس کی آنکھوں کے آگے لہرا گیا، میرا اور عباس کا بچہ، وہ محبت سے اسے سوچتے ہوئے کروٹ بدل گئی، یہ فرش پر بچھا بستر اسے پھولوں سے سجی مسہری سے کم نہیں لگ رہا تھا اس کا عباس اس کے ساتھ تھا اس کے بچے کی صورت میں۔

☆☆☆

''نکاح کے بعد زینو پہلی بار لاہور آئی تھی، کچھ ملک تقسیم کے عمل سے گزر رہا تھا، مہاجرین کا آنا جانا شروع تھا اور کچھ ان کے ساتھ ہونے والے مظالم نے جیسے لوگوں کو ہراساں کر رکھا تھا، سالار کے گھر والے اسے لاہور جانے سے روک رہے تھے مگر پھر سالار نے گھر والوں کو منا کر اسے لاہور بھیج دیا تھا دراصل زینو امید سے تھی ان کا خیال تھا کہ پہلا پہلا بچہ ہے کہیں کوئی نقصان نہ ہو جائے۔'' دادی جان اکبری کے سامنے دس بیس بار یہ بات دہرا چکی تھی کہ زینو امید سے ہے

اکبری کو بھی کہیں دکھلاؤ۔

''حسین کی بہو۔'' دادی نے رسوئی گھر کے باہر بیٹھی منجھلی بھابھی کو آواز دی۔

''جی اماں۔'' وہ وہیں سے با آواز بلند بولیں جانتی تھی کہ دادی اونچا سنتی ہیں۔

''یہ کام تو تمہاری ساس کے تھے لیکن خدا کے کاموں میں کون بول سکتا ہے، میں کہتی ہوں اکبری کو کسی کو دکھلاؤ، مجھے بہت فکر ہو رہی ہے۔''

''کتنی دفعہ تو کہہ چکی ہوں دادی جان، اب کوئی نہ مانے تو اس کی مرضی، اب ہم ہاتھ پکڑ کر لے جانے سے تو رہے۔''

''بڑی تو چلی گئی اب تم ہی ہو اس گھر کی بڑی بہو، تمہی کو کہتے ہیں۔''

بڑی بھابھی حسن بھیا کو لے کر ہمیشہ کے لئے اعظم گڑھ (یو۔پی) چلی گئی تھیں، بڑے بھیا نے تو بہت جان چھڑائی مگر پھر عباس کے سمجھانے پر کہ اماں رہی نہیں رہی، آپ اپنی زندگی کیوں عذاب بناتے ہیں، جہاں بھابھی خوش ہیں وہیں رہ کر دیکھ لیں، حسن بھیا کی سمجھ میں بھی یہ بات آ گئی تھی روز روز کی لڑائی سے وہ بھی تنگ آ گئے تھے، اماں زندہ ہوتیں تو شاید وہ یہ لڑائی ہمیشہ کی طرح برداشت کرتے رہتے مگر اب کس کے لئے۔

اکبری کمرے کے دروازے کے پاس کھڑی دونوں میں ہونے والی باتیں سن رہی تھی، دل جیسے کٹ سا گیا۔

''اب ہم کیا کہیں ان کو۔'' وہ اندر آ گئی پچھلے چار پانچ مہینوں سے وہ اسی جہنم سے گزر رہی تھی، یہ ایسی آگ تھی جو اس کا سب کچھ جلاتے جا رہی تھی کون سی بیوی ہے جو خاوند پاس ہوا اور نامراد ہے۔

''جانے کون جنم جلی ہے جس کی وجہ سے وہ مجھ سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔'' کبھی کبھی وہ سوچتی عباس اتنی محبت کرتے ہیں اسے سے، کیا اتنی حسین ہے وہ جو میں انہیں کبھی نظر نہیں آئی، ایک دفعہ عباس نے اسے کہا تھا۔

''مجھے کسی کی امانت سمجھنا، خیانت کا سوچنا بھی نہ، یہ خیال دل سے نکال دینا کہ کبھی عباس کو جیت جاؤ گی وہ بہت پہلے کا ہار چکا ہے۔''

''میں کیا کر رہی ہوں یہاں نہ شوہر میرا، پھر کیوں پڑی ہوں یہاں، گھر والے الگ شک کر رہے ہیں کہ بچہ نہیں ہو رہا۔''

رات کو بستر پر لیٹے ہوئے بھی وہ کروٹ پر کروٹیں بدل رہی تھی، ان گزرے مہینوں میں عباس میں ذرا برابر میں فرق نہیں آیا تھا بلکہ یوں کہہ لیں کہ ہر گزرتا لمحہ عباس کو اسی کی طرف کھینچ رہا تھا۔

اکبری چھت میں نظریں گاڑے ہوئے تھی مگر ذہن کہیں اور بھٹک رہا تھا، عباس لائبریری میں تھے زینو کے ساتھ۔

☆☆☆

''ہندوستان جانا چاہ رہا ہوں۔'' عباس بلاوجہ کسی کتاب کے ورق الٹ رہا تھا، زینو نے چونک کر بھائی کی طرف دیکھا۔

''اماں کے بعد کچھ ایسے حالات بنے کہ میری مجبوری بن گئی کہ میں نہ جاؤں، لیکن اب اور.....اور برداشت نہیں کر سکتا۔''

''لیکن بھیا آپ۔'' زینو نے کچھ سمجھانا چاہا اسے۔

''میں اسے جن حالات میں چھوڑ کر آیا تھا، پتہ نہیں کیا بنا ہو گا اس کا۔'' وہ کتاب ایک طرف رکھ کر پریشان سا اپنے ہاتھوں کی انگلیاں مروڑنے لگا۔

''وہ بہت اچھی ہے زینو، مجھ سے بہت

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

محبت کرتی ہے اور میں بھی اس کے بغیر نہیں رہ سکتا، میں اسے پاکستان لے کر آؤں گا۔"

"سوچ لیں بھیا کیا آپ ایسا کر پائیں گے میرا مطلب ہے کہ اکبری اور وہ۔"

"اکبری کو یہ سب کرنا پڑے گا کیونکہ اگر وہ نہیں تو میں نہیں۔" عباس کے لہجے کے مضبوطی پر زینو خاموش ہوگئی، اس سے بڑھ کر ان کی محبت کا اور کیا ثبوت ہوسکتا تھا اور جہاں محبت ہو وہاں اور کچھ بھی نہ ہو تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔

☆☆☆

عباس کمرے میں آیا تو وہ جاگ رہی تھی، لحاف لئے بغیر وہ لیٹی تھی، کمرے میں مکمل خاموشی تھی وہ چلتا ہوا مسہری کے قریب آیا اور میز پر رکھا پانی کا گلاس اٹھا کر منہ کو لگالیا، سردی کے باوجود اسے پیاس محسوس ہوئی تھی، جانے کیسا صحرا تھا اندر جو ابھی ٹھنڈا نہیں ہو رہا تھا تپش تھی چار سو، اس کی تنو جانے کیسی ہوگی، وہم سا ہو چلا تھا اسے، اسے لگ رہا تھا جیسے کچھ بھی ٹھیک نہیں ہے، جس تنو کسی مصیبت میں ہے دل کو دل سے راہ ہوتی ہے اور پھر وہ دل جو ایک ساتھ دھڑکے ہوں جن پر چاہت کے بادل ٹوٹ کے برسے ہوں۔

ہر رات وہ جب بھی مسہری پر لیٹتا اسے یہی محسوس ہوتا کہ اس کی تنو اس کے ساتھ لگے اس کے جواں سینے پر سر رکھے وہ میٹھی میٹھی باتیں کر رہی ہے اور وہ اس مٹھاس کو اپنے اندر اترتا محسوس کر رہا ہے، اس کے بدن سے اٹھتی مخصوص خوشبو چار سو پھیلی ہے اس کا خوشبو سے بھرا گداز بدن اس کی بانہوں کے ہالے میں اسے دیوانا بنا رہا ہے، تنو کی چاہت کی بوندیں قطرہ قطرہ اس پر گرتی اس کے ہوش اڑا رہی ہیں، اس کی پیاس بجھا رہی ہیں اسے پاگل کر رہی ہیں۔

وہ مسہری پر چت لیٹ گیا یہ جانے بغیر کہ ساتھ لیٹی یہ لڑکی اتنی دیر سے اسی کا انتظار کر رہی تھی۔

اس نے ہمیشہ کی طرح آنکھیں بند کرلیں سلطنت کا خیال اک حسین بادل کی صورت اس کے حواسوں پر دھیرے دھیرے چھانے لگا، وہ مخصوص خوشبو وہی گداز بدن، لیکن یہ کیا، کسی کی آہٹ ہر اس کی بند آنکھیں کھل گئیں، اس کے اندر جاگی پیاس ادھوری رہی تھی۔

اکبری اس کے بہت قریب آچکی تھی، عباس نے کچھ سوچتے ہوئے غصے نے آنکھیں بند کرلیں خیالوں کا تانا بانا بکھر کر رہ گیا تھا، اس نے دوبارہ آنکھیں کھولیں اور اپنے ہاتھ کی مدد سے اسے خود سے الگ کرتا ہوا اٹھ بیٹھا تو اکبری مارے جوش پھٹ پڑی جلن کی آگے دو چند ہوگئی۔

"بیوی ہوں میں آپ کی مت اتنا ذلیل کریں آپ مجھے۔" عباس نے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا، وہ کیا سوچ کر لیٹا تھا، اکبری کے رونے کی آواز اس کے کانوں میں آئی تو وہ چہرے سے ہاتھ ہٹاتے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ بات میں کتنی دفعہ سمجھاؤں۔" غصے سے بولا۔

"مجھے کچھ نہیں سمجھنا، بس مجھے بچہ چاہیے۔" وہ نظریں نیچی کیے آنسو صاف کرتے بولی، عباس نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا جیسے اس نے کوئی بہت ہی غلط بات کہہ دی ہو۔

"بچہ۔"

"جی بچہ، ہم دونوں کا بچہ۔" اکبری کو اس کی حیرانگی بہت بری لگی تھی۔

"میں سب کی باتیں نہیں سن سکتی، بس مجھے ایک بچہ چاہیے۔" وہ ایک ہی بات پر بضد تھی۔

"میں یہ نہیں کرسکتا۔" عباس کے انکار پر وہ یکدم مسہری سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

"کیوں نہیں کرسکتے آپ ایسا۔" وہ اسکے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔

"بعض باتوں کا جواب نہیں ہوتا انسان کے پاس اور میرے پاس بھی اس بات کا جواب نہیں ہے۔"

"عباس آپ ایسا کچھ نہیں کرسکتے میرے ساتھ یہ بے انصافی ہے۔" بولتے بولتے اس کا گلا رندھ گیا، عباس پر سوچ انداز میں سر نیچے کیے ہوئے تھا وہ اس کے سامنے رو رہی تھی اور اس کا یوں رونا اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"میری بات مانی ہوتی تو شاید یہ دن دیکھنا نہ پڑتا تمہیں۔"

"آپ میرے اس فیصلے کو میری غلطی کہہ رہے ہیں، مجھے یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ میں نے جو کیا غلط کیا۔" عباس خاموش رہا، وہ روتے روتے نیچے فرش پر بیٹھ گئی، کمرے میں پھیلا ہلکا ہلکا سا اندھیرا ماحول کو بھی غم زدہ سا بنا رہا تھا عباس دکھی ضرور ہو رہا تھا مگر وہ کچھ ایسا نہیں کرسکتا تھا جو وہ چاہ رہی تھی تھوڑی دیر کے لئے دونوں کے درمیاں خاموشی ہچکولے کھاتی رہی بس اس کے سسکنے کی آواز خاموشیوں میں ارتعاش پیدا کر رہی تھیں۔

"میں تو سمجھی تھی کہ آپ بدل جائیں گے میری محبت میں اتنی طاقت ہے کہ آپ مجبور ہو جائیں گے۔" تھوڑے توقف کے بعد اس کی آواز آئی۔

"میری محبت میں کسی تیسرے کی گنجائش نہیں ہے اسے میری مجبوری سمجھ لو یا کچھ اور..... اور ایک بات بدل جانا مطلب میری موت، میرے بارے میں ایسا سوچ کر تم نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔" عباس کی باتیں سن کر اکبری کے تو ہوش اڑ گئے تھے، اتنی محبت، کیا اتنی اہم ہے وہ ان کے لئے، وہ سکتے کی حالت میں عباس کو دیکھ رہی تھی جو اس کے ذکر پر کھل اٹھے تھے، اسے اس وقت اپنا آپ اتنا غیر اہم لگ رہا تھا وہ یہاں نہ ہو کر بھی ادھر تھی اور وہ ادھر ہو کر بھی کہیں نہیں تھی۔

"اور رہی بات بچوں کی تو جو بچے دو دلوں کی چاہت سے جنم لے کر اس دنیا میں آتے ہیں ان کے ماتھوں سے ٹپکتی الوہی روشنی چہار عالم کو روشن کر دیتی ہے میں ایسے بچوں کو دنیا میں لانے کا سبب نہیں بن سکتا جن کے باپ کے دل میں ان کی ماں کے لئے کبھی چاہت ایک بوند بھی گری ہو۔" اکبری کو لگا جیسے کسی نے اسے اونچی جگہ سے دھکا دے دیا ہو، سکتے کے عالم میں وہ عباس کا چہرہ دیکھے جا رہی تھی۔

"میں سلطنت کے علاوہ کسی دوسری عورت کی طرف دیکھنا بھی گناہ سمجھتا ہوں۔"

"میں دوسری عورت نہیں آپ کی بیوی ہوں۔" اکبری کی آنکھوں میں عجیب سا کرب ہچکولے کھا رہا تھا۔

"دل کا رشتہ کاغذ تک آنے میں دیر نہیں لگاتا اور کاغذ کا رشتہ، پھاڑ دو تو بات ختم۔" اکبری تو روح تک کانپ گئی تھی یہ عباس نے کیا کہہ دیا تھا، کیا ان کا رشتہ صرف کاغذ تک ہی ہے یہ کبھی دل تک نہیں آئے گا۔

"میں تمہیں دیکھتا ہوں تو مجھے لگتا ہے جیسے میں نے اس کے ساتھ زیادتی کی ہے۔" بات کرتے ہوئے عباس کا چہرہ سرخ ہوگیا، آنکھیں بھی ہلکے ہلکے سے نم ہوگئیں۔

"میں نے اپنے دل کی تمام تر شدتوں کے ساتھ اس سے محبت کی ہے، اب کسی اور عورت کی گنجائش نہیں بنتی دل میں۔" وہ بھیگے ہوئے لہجے کے ساتھ بڑا مجبور سا بولا تو اکبری نے احساس

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

ذلت کے ساتھ آنکھیں بند کرلیں۔

☆☆☆

"قسم سے تمہیں دیکھتا ہوں تو اک ہوک سی اٹھتی ہے دل میں، کم بخت اتنی دیر سے کہاں تھی تم۔" رفیق ہریانوی اس کے سامنے کسی جن کی طرح آن دھمکا تھا۔

"اپنی اوقات میں رہا کرو۔" سلطنت کا چہرہ احساس ندامت سے سرخ ہوگیا۔

"تم جیسا حسین چہرہ سامنے ہو تو اوقات کیسے یاد رہتی ہے، خدا کی قسم تمہارے لئے کچھ بھی کرسکتا ہوں۔" کرائے کے بہانے وہ پھر اس کا راستے روک کھڑا ہوگیا تھا وہ پوری طرح اس کی نظروں کے شکنجے میں تھی۔

"ایک قیامت کیا کم تھی اس شہر میں جو تم بھی آن بسی۔" اس کا اشارہ تاج محل کی طرف تھا، تاج محل کے ذکر پر سلطنت کی آنکھوں کے سامنے ایک چہرہ لہرا گیا رفیق ہریانوی کے سامنے ہونے کے باوجود اس کا ذہن کہیں پیچھے کو دوڑ لگا گیا ایک دفعہ عباس نے خورشید کی بات کے جواب میں کہا تھا۔

"اس پتھر کا تم سے کیا مقابلہ، تم تو خدا کا زندہ و جاوید شہکار ہو، کئی تاج محل تمہارے قدموں میں سجدہ ریز ہوتے ہیں۔" سلطنت کی آنکھیں سوچ کر نم ہوگئیں، پتہ نہیں عباس لکھنو آئے یا نہیں، آئے ہوں گے تو مجھے نہ پاکر ان پر کیا بیتی ہوگی، عباس اس نے اندر ہی اندر پوری شدت سے عباس کو پکارا، آپ کے بغیر آپ کی سلطنت تنہا ہے، اس دنیا کی گندی نظروں کا سامنا کرنے کی سکت نہیں ہے ہم میں۔

"یہ کرایہ ویرایہ تو بہانہ ہے میں تو حقیقت میں تمہارا دیدار کرنے آتا ہوں۔"

سلطنت جو کہیں اور گم تھی اس کی بات سن کر درشت نظروں سے اسے دیکھنے لگی تو وہ اتنی دیر میں بوا بھی چلی آئیں وہ رفیق کی آخری بات سن چکی تھیں۔

"تمہاری جرأت کیسے ہوئی میری بچی پر اپنی گندی نظر ڈالنے کی، مردود نکل جا یہاں سے۔" سلطنت بوا کے آجانے پر اطمینان کا سانس لیتے ہوئے پیچھے ہٹ کر کھڑی ہوگئی، وہ جانتی تھی کہ اب بوا خود ہی نپٹ لیں گی۔

"تمہارے جیسے کو تو ہم اپنی حویلی میں گھسنے نہیں دیتے یہ تو بس برا وقت یہاں لے آیا ہمیں، ورنہ تمہارے جیسے ایسی باتیں کریں ہمیں، نکل جاؤ یہاں سے اور کبھی پلٹ کر نہ آنا، کرایہ تمہارے تمہیں مل جایا کرے گا۔" بوا سلطنت کا ہاتھ پکڑ اس گھر کے اکلوتے کمرے میں لے گئیں۔

☆☆☆

"حمیدن تم بھی سن لو وہ بندہ اس گھر میں نظر نہیں آنا چاہیے۔" بوا نے حمیدن خالہ کو آڑے ہاتھوں لیا تھا، پچھلے پانچ مہینوں سے وہی اس گھر کا سارا سرکل چلا رہی تھیں، حویلی سے نکلتے وقت سلطنت اپنے کچھ زیور اور نقدی لے آئی تھی، برے وقت کے لئے، اس لئے بوا وہی تھوڑا تھوڑا بیچ کر گزارہ کررہی تھیں۔

"بڑی آپا کیا کروں میں، کم بختی مارا بن بلائے آن دھمکتا ہے۔"

"بس میں نے کہہ دیا اس کی گندی نظریں برداشت نہیں ہیں مجھے۔" بوا نے صاف صاف سنادیا۔

"آپ برا مت مناؤ میں سمجھا دوں گی اسے۔" بوا کو تو یہ سب کہہ کر حمیدن نے ٹال دیا تھا لیکن وہ اسے اس گھر میں آنے سے روک نہیں سکتی تھیں، ایک تو یہ اس کا گھر تھا اور دوسرا خالہ کو بھی آئے دن اس کی ضرورت رہتی تھی، پیسہ اور

کئی کام تھے جو وہ خالہ کے کر دیا کرتا تھا اور حساب بھی نہیں رکھتا تھا، یہ دونوں تو جانے کب چلی جائیں یہاں سے مگر اسے تو ادھر ہی رہنا تھا انہی لوگوں کے ساتھ اس نے بوا کی بات سن ضرور لی تھی مگر اس پر عمل کرنے کا ان کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

☆☆☆

سلطنت کی طبیعت آئے دن بگڑی رہتی، لیکن اس باوجود وہ عباس کو ایک لمحے کے لئے بھولی نہیں تھی اور بھولتی بھی کیسے وہ تو اس کی نس نس میں لہو کے ساتھ گردش کررہا تھا وہ اسی کا لہو تھا جو اس کے اندر پیپ رہا تھا اسے اپنے ہونے کا یقین دے کر زندہ رہنے پر مجبور کررہا تھا ورنہ جن حالوں اپنے گھر سے باہر نکلی تھی زندہ رہنے کا جواز نہیں بنتا تھا۔

"کبھی کبھی وہ سوچتی ابا حضور نے وہ بات جانے کیسے برداشت کی ہوگی، مجھے ڈھونڈنے کی کوشش بھی کی یا۔" دل سوچ کر ہی کانپ جاتا، کیسے لوگوں کا سامنا کرتے ہوں گے، دادی حضور تو پہلے ہی بیمار تھیں کیا سہہ پائی ہوں گی وہ یہ درد، کیسے کیسے پہاڑ نہ ٹوٹے ہوں گے ان پر۔

"ماں قسم کبھی اتنا ڈوب کر میرے بارے میں بھی سوچوں تو اپنی جان دے دوں میں۔" رفیق کی آواز اسے اپنے بہت قریب سے سنائی دی تھی، سلطنت کی سوچ جو ماضی کا سفر کررہی تھی یکدم حال کے الجھے ہوئے تاروں میں آن اٹکی۔

"آپ کیوں ہماری زندگی کو اور عذاب میں ڈالنے کی کوشش کررہے ہیں، پہلے ہی کیا ہم کم پریشان ہیں۔" سلطنت کا پریشان لہجہ اس سے پوشیدہ نہیں تھا۔

"تمہاری جیسی بیوی کو چھوڑ کر کوئی جنت میں نہ جائے اور وہ پاکستان بھاگ گیا کیسا مرد تھا تمہارا۔" رفیق کی بات سن کر اس کی رگیں تن گئیں کوئی اس کے عباس کو برا کہے وہ برداشت نہیں کرسکتی تھی۔

"بوا نے منع کیا تھا آپ کو یہاں آنے سے، اس لئے آپ خاموشی سے اپنا راستہ پکڑیں، ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔" سلطنت کی بات پر وہ ہنستے ہوئے لوٹ پوٹ ہونے لگا، اتنی دیر میں حمیدن خالہ بھی باہر سے آگئیں، رفیق کو سلطنت کے ساتھ بات کرتے وہ ان دونوں کے قریب چلی آئیں۔

"خالہ ان سے کہہ دیں یہ یہاں سے چلے جائیں۔" اتنا کہہ کر وہ اندر چلی گئی۔

"کیوں اس جھنجھٹ میں پڑتے ہو میاں، شادی شدہ ہے۔" خالہ نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"مجھے یہ لڑکی چاہیے، ہر حال میں۔" اس نے خالہ کو ایسے دیکھا جیسے وہ سب کچھ کرسکتی ہو۔

"رئیس نواب زادی ہے، لکھنو کے کسی رئیس نواب کی بیٹی، تمہارے جیسے کو گھاس بھی نہیں ڈالتی۔" خالہ کی بات پر وہ ہنسا اور ہنستا ہوا کھٹیا پر لیٹ گیا۔

"تم کس مرض کی دوا ہو، تم کرو گی سب کچھ، پیسے میں نہا دوں گا تجھے خدا قسم اتنا پیسہ تم نے کبھی اپنی زندگی میں نہیں دیکھا ہوگا۔" اس کی بات سن کر خالہ کی آنکھوں میں بجلی سی کوندی مگر پھر نجانے کیا سوچ کر وہ روشنی ہلکی سی ماند پڑ گئی۔

آج کل خالہ کے ذہن پر رفیق کی بات ہی سوار تھی پیسہ بوا کا ڈرنا ہوتا تو شاید وہ کب کی رفیق کی بات مان چکی ہوتی، اس کا کیا رشتہ تھا سلطنت کے ساتھ، جانے کس نواب کی بیٹی تھی وہ اور کن حالوں میں یہاں آئی تھی، انہیں اس بات

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

سے کیا۔

☆☆☆

کتنے دنوں سے اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ خورشید کو خط لکھے مگر نجانے کیا سوچ کر اس کے ہاتھوں میں قلم کانپنے لگتا، لیکن آج اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ خورشید کو خط لکھے۔

خط میں اس نے ساری تفصیل بتائی تھی اور یہ بھی بتایا تھا کہ وہ عباس کے بچے کی ماں بننے والی ہے، اپنے گھر والوں کے بارے میں اس نے پوچھا تھا۔

خط پوسٹ کرنے کے بعد اس کو عجیب وہم سا ہو چلا تھا نجانے خورشید کا جوابی خط کس طرح کا آئے گا، میرے گھر والے کیسے ہوں گے، اس نے خط میں عباس کے بارے میں بھی پوچھا تھا۔

اور پھر اس کا وہم سچ ثابت ہو گیا، خورشید کے خط نے تو اس پر غموں کا پہاڑ توڑ دیا، نواب رجب علی خان اس بدنامی کو نہ سہتے ہوئے دل کا دورہ پڑنے سے اسی دن اسی جہان فانی کو چھوڑ گئے، دادی حضور پہلے ہی بیمار تھیں، بیٹے کی جدائی ان سے بھی برداشت نہ ہوئی وہ بھی ان کے پیچھے راہی ملک عدم ہو گئیں اور رہے چھوٹے نواب وہ کبھی دلی اور کبھی لکھنو، عباس بھی ابھی تک لکھنو نہیں آئے۔

آنسو تھے کہ رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے، اپنے باپ کو اپنے ہاتھوں قبر میں ڈال دیا اس نے، کیسی بیٹی تھی وہ جس کی بدنامی کا بار اس کا باپ نہ اٹھا پایا۔

"ہم آپ کی قاتل ہوں ابا حضور۔" وہ زور زور سے چیخ رہی تھی بوا اور حمیدن خالہ بڑی مشکل سے اسے سنبھالے ہوئے تھیں۔

"ہائے میرے نواب کو کیا ہو گیا، بڑی بیگم، کتنی محبت کرتے تھے سب مجھ سے اور میں نے بدلے میں کیا دیا۔" بوا کو بھی رہ رہ کر سب یاد آ رہا تھا، سلطنت کو تو غش پر غش پڑ رہے تھے۔

"ہائے ہم اپنے آپ میں اتنے الجھے تھے کہ ہمیں اپنے ابا حضور کی موت کا بھی اشاوہ نہ ہوا۔"

"ہائے کوئی مار ڈالو ہمیں۔" وہ زور زور سے خود کو پیٹنے لگی بوا نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ روک لئے۔

"نہ کر میری بچی اب جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا؟" بوا کے بھی آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے، انہوں نے بھی اس حویلی کے لئے اپنی ساری زندگی وقف کر دی تھی وہ حویلی جو اب اجاڑ کھنڈر بن گئی ہو گی، وہ سوچ کر ہی دہل گئیں۔

"اب تو ساری زندگی اسی غم کے ساتھ چلنا ہے، ہونی کو کون ٹال سکتا ہے۔"

"یہ ہونی ہمارے ہاتھوں ہوئی ہے ہم خود کو کبھی معاف نہیں کر سکتے۔" روتے روتے اس کی ہچکی بندھ گئی۔

"جانے اس وقت کتنی تکلیف ہوئی ہو گی میرے ابا کو جو وہ سہہ نہ پائے، میرے مولا ہمیں معاف کر دینا۔"

اپنی محبت کو پانے کے چکروں میں وہ نہ محبت کو پا سکی اور نہ اپنے ابا کو بدنامی کی موت سے بچا سکی، کتنی بدقسمت تھی وہ، آج وہ سہی معنوں میں اپنے گھر سے قدم باہر نکالنے پر پچھتا رہی تھی۔

اس نے اپنے ہاتھوں اس سائباں کو اتار پھینکا تھا۔

اسے کسی پل قرار نہیں آ رہا تھا، آنسوؤں نے تو جیسے ناتا جوڑ لیا تھا اس سے کسی پل نہ آنکھیں سوکھتی، عباس بھی نہ آئے اور ابا بھی چل دیئے۔

بوا اب ہر وقت اس کی دل جوئی میں لگی تھیں، دکھ تو انہیں بھی کم نہ تھا اس گھر کا نمک کھایا تھا انہوں نے، لیکن سلطنت کی حالت کی وجہ سے انہیں اسے خوش کرنے کے لئے بلاوجہ ہنسنا بھی پڑتا۔

"میری بچی اب اپنا نہیں تو اس بچے کا سوچ جو تیرے اندر پل رہا ہے اب یہی تیری زندگی کا سہارا ہے۔" سلطنت نے بوا کی بات پر روتی آنکھوں سے اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھ لیا۔

"عباس میں جانتی ہوں آپ بے وفا نہیں ہیں لیکن پھر بھی آپ پلٹ کر لکھنو کیوں نہیں آئے آپ نے میرے بارے میں کیوں نہ سوچا۔" وہ دل ہی دل میں عباس سے گلہ کر رہی تھی۔

☆☆☆

وقت کا پنچھی ہولے ہولے پرواز پکڑ رہا تھا، وقت کے ساتھ ساتھ سلطنت بھی سنبھل رہی تھی لیکن رفیق کی گندی نظروں سے وہ خود کو بچا نہیں پا رہی تھی، بوا سے کوئی دو تین دفعہ اس کی منہ ماری ہو چکی تھی، سلطنت جیسے خوف زدہ رہنے لگی تھی جانے کیا کرے وہ۔

حمیدن خالہ کی جیبوں کو اس نے پیسوں سے بھر دیا تھا اور پچھلے دو مہینے سے وہ مکان کا کرایہ بھی نہیں دے رہا تھا اور ایک دفعہ بات کرتے ہوتے سلطنت نے سن لیا تھا کہ وہ یہ گھر خالہ حمیدن کے نام کر رہا ہے، وہ کیا چاہتا ہے جو یہ سب کر رہا ہے؟ سوچ سوچ کر اس کا سر چکرانے لگتا۔

☆☆☆

عباس نے گھر بھر میں یہ بتا کر کہ وہ ہندوستان جا رہا ہے اکبری پر بجلی گرا دی تھی۔

"ہندوستان جا رہے ہیں۔" اس کا دل جیسے مٹھی میں آ گیا۔

"ہندوستان سے مطلب، تنو کے پاس۔" اسے یاد آیا پچھلے دنوں عباس رات کو سوتے میں تنو تنو کہہ کر اٹھ گئے، شاید انہوں نے کوئی برا خواب دیکھا تھا، اکبری نے پہلی دفعہ عباس کو اتنا پریشان حال دیکھا تھا جانے خواب میں کیا دیکھ لیا تھا انہوں نے کہ باقی ماندہ رات ان سے کٹ نہیں رہی تھی۔

"محبت کرنے والے جتنے مرضی دور، ہوں دل سے دور نہیں ہوتے۔" اکبری کے پوچھنے پر اس نے کہا تھا عباس نے وہ رات کمرے میں ادھر سے ادھر چکر کاٹنے میں گزار دی تھی۔

"اب وہ ہندوستان جا رہے ہیں، میں تو کہیں کی نہیں رہ جاؤں گی۔" وہ سب کو بتانے کے بعد کمرے میں آیا تو اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر دروازہ بند کر دیا۔

"میں آپ کو نہیں جانے دوں گی۔" عباس نے اس کی بات پر پلٹ کر غصے سے اسے دیکھا، وہ دروازہ کے ساتھ یوں لگ کے کھڑی تھی جیسے واقعی اسے باہر نہیں جانے دے گی۔

"میں اس مسئلے پر کچھ بھی بولنا نہیں چاہتا۔" وہ دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

"مجھے بات کرنی ہے آپ سے۔" وہ بولتی ہوئی اس کے قریب آ گئی اور غور سے عباس کے چہرے کو دیکھنے لگی، ہر لڑکی کا خواب ہوتا ہے ایسا جواں مرد اور میں پا کر بھی اس کی محبتوں سے محروم ہوں۔

عباس نے اس کے اتنے غور کرنے پر اک لمحے کے لئے نظر اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر نظریں جھکا دیں۔

"آپ تو دیکھتے بھی مجھے یوں ہیں جیسے کسی نامحرم پر نظر پڑ گئی ہو۔"

"جو چیز میرے اختیار میں نہیں اس کا ذکر

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کیوں بار بار کرتی ہو، تم سمجھو کے تم ایک پتھر کے آگے اپنا سر پھوڑ رہی ہو، لہولہان ہو جاؤ گی، پتھر سے مدد کی امید مت رکھو، وہ تو خود کسی دوسرے کے آسرے پر ہوتا ہے۔"

"میں بس ایک چلتا پھرتا بت ہوں میرے اندر لہو بن کر دوڑنے والا مجھ سے بہت دور ہے۔" عباس کی بات پر اکبری نے تھوک ایسے نگلا اندر جیسے زہر نگل رہی ہو اسے ایسے لگا جیسے کوئی چیز اسے اندر ہی اندر کاٹ رہی ہو۔

"مجھے یہاں روک کر کیا کرو گی تم، میں کہیں بھی رہوں میں اس سے جدا نہیں ہوں، اس لئے نہ خود کو اذیت دو اور نہ مجھے۔" عباس کے اس جملے نے اسے کچھ بھی کہنے سے روک دیا تھا وہ چاہ کر بھی آگے بول نہ پائی۔

☆☆☆

سردی گئی اب پھر گرمی آنے کو تھی، وقت اپنی رفتار سے سفر طے کر رہا تھا اب اس کا وقت بھی کٹنے کو تھا، وہ ننھا سا پھول اس کی سونی گود میں کھیلے گا، وہ ایک دفعہ پھر عباس کو اپنے سامنے دیکھ پائے گی، خوشی کے ساتھ ساتھ کئی دکھ بھی وقت نے جھولی میں ڈال دیئے تھے۔

وہ ہولے ہولے سے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی آنگن میں ٹہل رہی تھی، سورج میاں واپسی کا قصد کر رہے تھے، چیت کی ہوائیں گنگناتی ہوئی قریب سے گزر رہی تھیں، کچھ خوشی کچھ غم کی کیفیت لئے وہ خاموش سی تھی، پھر کچھ تھکاوٹ سی محسوس کرتے ہوئے، وہ دھیرے سے کھٹیا پر بیٹھنے لگی تبھی رفیق دروازہ زور سے کھولتا ہوا اندر چلا آیا اور اک نظر اس پر ڈالتا مسکراتا ہوا اندر حمیدن خالہ کے پاس چلا گیا۔

"کیا ہوا ہے آج اسے، بڑی جلدی میں نظر آرہا ہے۔" اسے جیسے حیرت نے آن گھیرا، اسے اس پر کچھ شک سا ہو گیا تھا کچھ تو کر رہا تھا وہ، اسے تجسس کو ساتھ لئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور کمرے کے پاس جا کر ان کے درمیان ہونے والی باتیں سننے لگی۔

"یہ نوٹوں کی گدی پکڑو، باقی کام کے بعد۔" رفیق کی آواز اس کے کان میں پڑی۔

"اب چلتا ہوں، جو کرنا ہے یاد ہے ناں، اپنی راہ کے سارے روڑے نکال پھینکوں گا میں۔" سلطنت خوف زدہ سی جلدی سے دروازے سے ہٹ گئی، یہ کیا کہہ رہا تھا، کون سے روڑے اور حمیدن خالہ کو پیسے کیوں دیئے، یہی باتیں سوچتی وہ دوبارہ کھٹیا پر آ بیٹھی، چڑیاں اس گھر کے اکلوتے درخت پر بیٹھی شور کر رہی تھیں، تھوڑی دیر میں اذان ہونے والی ہے۔

"یا اللہ مدد فرما، جانے کیا ہونے والا ہے۔" تھوڑی دیر بعد وہ بھی کمرے سے باہر نکل آیا اور اس پر پڑی فاتحانہ نظر ڈالتا اس کے قریب چلا آیا۔

کافی دیر وہ بغیر کچھ بولے اسے مسکراتے ہوئے دیکھتا رہا اور پھر واپس چلا گیا، سلطنت کے تو اس کے طریقے کار پر پیروں کے نیچے سے زمین سرک گئی، عجیب پر اسرار سا طریقہ کار تھا اسکا۔

"بوا کہاں ہیں۔" وہ سوچنے لگی ان کے بغیر کتنی تنہا تھی وہ، وہی تو اس کا سہارا تھیں، جو اس کی طرف اٹھنے والی گندی نظروں کو کچل کر رکھ دیا کرتی تھیں، وہ دل میں زور زور سے دعا کرنے لگی کہ بوا چلی آئیں۔

لیکن رات کے نو بھی بج گئے مگر بوا گھر نہیں آئیں، اتنی دیر کہاں لگا دی انہوں نے آس پڑوس میں ہی گئیں تھیں، تھوڑے ہی عرصے میں کافی جان پہچان ہو گئی تھی یہاں ان کی۔

رات بھی گزر گئی مگر بوا نہیں لوٹیں، سلطنت ساری رات نہیں سوئی تھی، طرح طرح کے وہم ستا رہے تھے، بوا کدھر جا سکتی ہیں، یہاں کوئی ہے ان کا عزیز، مجھے پہلے ہی لگ رہا تھا جیسے کچھ غلط ہونے والا ہے۔

"میرے اللہ میری مدد فرما اور بوا کو بھیج دے۔" حمیدن خالہ بھی پریشان تھیں ساری رات وہ بھی اس کے ساتھ جاگتی رہیں۔

"خود ہی آ جائے گی وہ بوڑھیا، میں کہاں ڈھونڈوں۔" حمیدن خالہ کو تو اس نے ٹال دیا تھا مگر پھر سلطنت کے اصرار پر وہ جانے کے لئے مان گیا۔

"تمہارے لئے تو جان بھی حاضر ہے ایک بار کہو ہزار بار جائیں۔" سلطنت کی مجبوری تھی جو اس کے منہ لگنا پڑ رہا تھا۔

آدھے سے زیادہ دن گزر چکا تھا مگر بوا کا کہیں کوئی پتہ نہیں تھا، کہیں کچھ ہو تو نہیں گیا انہیں، اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے، نہیں نہیں اس نے ذہن میں آئے برے خیال کو جھٹکا۔

مگر تھوڑی ہی دیر بعد وہ برا خیال حقیقت کا روپ لیے آنگن میں چارپائی پر موت کی آغوش میں سو رہا تھا، سلطنت کے تو ہوش گم بوا اس حالت میں، یہ سب کیسے ہو گیا، رفیق کے ساتھ پولیس کے لوگ بھی گھر میں آئے تھے، آس پڑوس کے لوگ بھی آنگن میں اکٹھے ہو گئے۔

سلطنت کمرے کے دروازے میں کھڑی سکتے کی حالت میں تھی اور پھر جب سکتہ ٹوٹا پھر اک سیل رواں تھا جو اس کی آنکھوں سے جاری ہو گیا تھا، قسمت کی ماری یہ بازی بھی ہار گئی تھی، یہی ہستی تھی جس کے بل بوتے پر وہ اس ظالم دنیا کے سامنے کھڑی تھی، اس کی نظر سامنے کھڑے رفیق پر پڑی، بوا ہم آپ کی کون کون سی نیکی یاد کریں، آپ نے ہر برے وقت میں ہمارا ساتھ دیا، ایا نے رہے دادی نہ رہیں، بوا آپ تو ہمارا سہارا تھیں آپ تو ایسا نہ کرتیں، وہ بلک بلک کر رو رہی تھی، اس ظالم دنیا نے ایک اور غم میری جھولی میں ڈال دیا، ہائے ری قسمت، ہم سے زیادہ بد نصیب بھی کوئی ہو گا جس کا کوئی عزیز رشتہ اس کے پاس نہیں، پولیس کے دو اہلکار اس کے پاس آئے تھے اور انہوں نے اسے بتایا تھا کہ وہ یہاں سے کوئی آدھے میل کے فاصلے پر ایک گندا نالے میں پاؤں پھسلنے کے باعث گر گئیں، آج صبح ہی ان کی لاش ملی ہے۔

بوا نے تو مجھے آس پڑوس میں جانے کے لئے کہا تھا وہ اتنی دور کیونکر چلی گئی جب کہ انہیں کوئی کام بھی نہیں تھا، روتے روتے اس کا ذہن اس بات پر اٹک گیا، کہیں کسی نے جان بوجھ کر تو نہیں، کیا رفیق، ذہن اس بات پر اٹکا مگر کسی نے اندر سے اسے چپ کروا دیا۔

وہ چاہ کر بھی کچھ نہیں کر سکتی تھی، اسے رفیق کا کل کا رویہ یاد آ رہا تھا تو کیا حمیدن خالہ بھی اس میں شامل ہیں، پیسے تو وہ انہیں ہی دے رہا تھا، اس نے زور سے اپنا سر دیوار کے ساتھ دے مارا، ہم اور کتنے لوگوں کی موت کا سبب بنیں گے، بوا وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، وہ اس کی ماں کی جگہ پر تھیں، ماں اس نے دیکھی نہیں تھی مگر وہ پیار اسے بوا نے دیا تھا آج اسے لگ رہا تھا ماں کا سایہ اس کے سر سے اٹھ گیا ہے، باپ تو رہا نہیں، ماں تو زندہ رہتی۔

آج پہلی دفعہ اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ بالکل تنہا ہے کیا کرے وہ، حمیدن خالہ کے بغیر اس کا اب کوئی سہارا نہیں، اس کی جو حالت تھی وہ تو تنہا ایک دن بھی نہیں رہ سکتی تھی، رفیق کو

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

برداشت کرنا بھی اس کی مجبوری تھی، لیکن جب وہ سامنے آتا اس کا دل چاہتا وہ چھری گھونپ دے اس کے اندر، پہلے اسے شک تھا مگر اب اسے یقین ہو چلا تھا کہ بوا کے قاتل کوئی اور نہیں یہی ہے، روپیہ دے کر اس نے پہلے حمیدن خالہ کا منہ بند کیا اور پھر پولیس کو بھی چپ کروا دیا، وہ تنہا کمزور لڑکی اس کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتی تھی۔

☆☆☆

لکھنو کی سرزمین ایک بار پھر اس کے قدموں کے نیچے تھی، پورے نو مہینے بعد وہ اس شہر میں دوبارہ آیا تھا جہاں کبھی اس کی محبت پھولوں کی مانند مہکی تھی، یہ وہی شہر تھا جہاں سلطنت تھی اس کے دل کی ملکہ۔

اس کے قدم چھوٹے ماموں کے گھر کو نہیں، سلطنت کے بنگلے کی طرف اٹھ رہے تھے، اب جو بھی ہو گا دیکھا جائے گا، میں خود نواب صاحب کو سب کچھ بتا دوں گا اور یہ کہہ دوں گا کہ سلطنت میری بیوی ہے، جو بھی کہنا ہے آپ مجھ سے کہیں، وہ لاہور شہر سے پوری تیاری کے ساتھ آیا تھا بلکہ اس نے آتے وقت اکبری کو بھی سب کچھ بتا دیا تھا۔

"زندگی میں میرا ایک ہی اصول رہا ہے، اپنی محبت میں کسی تیسرے کو شریک نہ کرو اور جو کام بھی کرو اسے آخر تک نبھاؤ۔" سلطنت میری پہلی اور آخری محبت اور میری بیوی ہے، میں سال پہلے کا اس سے شادی کر چکا ہوں۔

اکبری کے سر کے اوپر جیسے کوئی بم آ گرا ہو جسے بم ہیروشیما نہیں اس کے سر پر پھوٹا ہو، اسے اپنے اردگرد گرد سے اڑتی دکھائی دے رہی تھی جس میں عباس کا دھندلا چہرہ دور ہوتا نظر آ رہا تھا۔

"تم سے میرا نکاح میری مجبوری تھی میری مرتی ماں کی خواہش، میں نکاح نامے پر دستخط تو کر سکتا تھا مگر اس کے بعد جو میرے اختیار میں نہیں وہ میں تمہیں نہیں دے سکتا تھا، ازدواجی تعلقات اگر محبت کے ساتھ اک دوسرے کے ساتھ جڑیں تو آنے والا وقت بہار بن کر زندگی پر چھا جاتا ہے۔"

ان آٹھ نو ماہ میں ہم دونوں میں جو بھی ہوا میں اس کی تم سے معافی بھی نہیں مانگوں گا کیونکہ میں نے جو بھی کیا تم کو اس کا پہلے ہی علم تھا۔

"میں اسے واپس لانے جا رہا ہوں امید ہے تم مجھے روکو گی نہیں، میں جانتا ہوں کہ میرے ساتھ رہ کر تمہاری زندگی برباد ہے، لیکن میں اسے مزید برباد نہیں ہونے دوں گا، میں آ کر ماموں سے بات کروں گا، میں اپنے ساتھ تمہیں باندھ کر نہیں رکھ سکتا۔"

بنگلے پر پھیلی اداسی اور ویرانی اسے چونکا گئی، باہر دروازے پر خلاف معمول کوئی چوکیدار موجود نہیں تھا، وہ اندر آ گیا، وہ بنگلہ جو کبھی اپنی خوبصورتی کی وجہ سے پورے علاقے میں پہلے نمبر پر تھا اس پر ایسی قیامت خیز ویرانی، لان میں لمبی لمبی خودرو گھاس اگ آئی تھی خشک پتوں کے ڈھیر سے تھے جو جا بجا لگے ہوئے تھے۔

کوئی بھی دکھائی نہیں دے رہا، سرخ چھوٹی اینٹوں سے بنی روش جگہ جگہ سے اکھڑ چکی تھی، اس گھر کے مکین کہاں ہے، میری سلطنت کہاں ہے، اس سناٹے نے اس کے اندر خوف سا بھر دیا تھا وہ جلد از جلد اندر جا کر پتہ لگانا چاہ رہا تھا۔

وہ ابھی اندرونی دروازے کے پاس گیا تو اسے وہاں ایک نوعمر لڑکی نظر آئی جو پچھواڑے کی طرف سے آ رہی تھی، ویران ویران آنکھوں کے ساتھ وہ اسے دیکھ رہی تھی اور چہرے پر ایسے تاثرات تھے جیسے اس گھر میں بہت عرصے بعد کسی

آدمی کو دیکھا ہو، وہ چلتا ہوا اسکے قریب آ گیا، وہ چند ثانیے چپ چاپ کھڑا اسے دیکھتا رہا، اس سے بات نہیں بن پا رہی تھی، وہ کیسے سلطنت کی بات کرے اس سے پھر وہ ہمت کر کے بولا۔

"میرا نام سید عباس زیدی ہے اور میں پاکستان سے آیا ہوں۔" عباس کو یوں لگا جیسے ابھی کہیں سے سلطنت دوڑتی ہوئی آگے گی اور اس سے لپٹ جائے گی، وہ تھوڑی دیر انتظار کرتا رہا مگر نہیں بنگلے پر تو ہر طرف سناٹوں کا راج تھا کسی کو نہ آنا تھا نہ آیا۔

وہ لڑکی اب بھی اسے دیکھ رہی تھی، کیسے پوچھے وہ، بے دھڑک یوں سلطنت کے بارے میں سلطنت کے بارے میں پوچھنا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"مجھے نواب رجب علی خان سے ملنا ہے۔" آخر کو وہ بڑا حوصلہ کر کے بولا۔

اتنا پوچھنا تھا کہ لڑکی کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے، عباس اس کے یوں رونے پر پریشان ہو گیا۔

"کیا بات ہے آپ رو کیوں رہی ہیں۔"

"نواب صاحب تو گزر گئے۔" وہ دوپٹہ منہ پر رکھے ایک بار پھر زور زور سے رونے لگی، عباس کو جیسے دھچکا سا لگا، گزر گئے اور سلطنت۔

"سلطنت کہاں ہے۔" عباس نے دھڑک اس کے بارے میں پوچھا تھا اس لڑکی کے بہتے آنسو جیسے تھم سے گئے۔

"سلطنت آپا، آپ کیسے جانتے ہیں انہیں۔"

"ہم دونوں ایک ساتھ پڑھتے تھے۔"

"آپ ان سے ملنے آئے ہیں اور وہ یہاں میں نہیں۔"

"کیا مطلب، کہاں ہے وہ۔" عباس کو جیسے تشویش نے آن گھیرا، کتنی دور سے وہ آیا تھا۔

"پتہ نہیں۔" لڑکی کا جواب جیسے تپا گیا اسے۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ کو پتہ نہ ہو۔" وہ بات کرتا ہوا اندرونی دروازے کے باہر بنی سیڑھی پر بڑا بے آسرا ہو کر بیٹھ گیا۔

"ہم اجنبی لوگوں سے ان کے بارے میں بات نہیں کر سکتے۔" اس لڑکی کو لگا جیسے وہ اسے زیادہ ہی کریدا رہا ہے۔

"اب میں کیا کہوں آپ سے کہ میں اس کے لئے اجنبی نہیں ہوں، مہربانی فرما کر آپ صرف مجھے یہ بتا دیں کہ وہ ہے کہاں۔" وہ اندر ہی اندر اتنا پریشان ہو گیا تھا کہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ ان گزرے نو مہینوں میں کچھ نہ کچھ غلط ہو گیا ہے جس کا اس علم نہیں۔

"آپ کیوں ان کے بارے میں اتنا پوچھ رہے ہیں، آپ ہیں کون۔"

"ہم دونوں اک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں میرا اور اس کا رشتہ لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتا۔" پھر اس نے اسے سب کچھ بتا دیا۔

"ہائے ری قسمت، وہ آپ ہے جس کی وجہ سے اس بنگلے کو نظر لگ گئی، ہماری آپا گھر سے بے گھر ہو گئیں۔" وہ حسنی تھی، عباس کو سمجھ نہ آئی کہ وہ کیا کہہ رہی ہے، پھر حسنی نے سب کچھ اسے بتا دیا۔

"آپ یہاں ہیں تو ہماری آپا کدھر ہیں۔" حسنی خود کو پیٹنے لگی۔

یہ کیسی شام عباس کی زندگی میں اتری تھی، یہ کیا ہو گیا سلطنت، میں کیوں تمہارے بارے میں اتنا بے فکرا ہو گیا۔

اسے کسی پل قرار نہیں آ رہا تھا وہ کیا کرے کہاں جائے، کیسے پتہ لگائے کہ وہ کہاں ہے وہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

جس نے میری وجہ سے اپنی زندگی داؤ پر لگادی۔
لکھنو کی ویران سڑکوں پر وہ شکستہ حال یوں پھر رہا تھا جیسے اس کی کوئی بہت ہی اہم شے گم ہو گئی ہے اور مل کے نہیں دے رہی، کتنا خوش تھا وہ کہ وہ سلطنت کو لینے جارہا ہے اسے کیا پتہ تھا اس کا خزانہ اس سے کہیں کھو گیا ہے۔

☆☆☆

پورے نو مہینے آہوں اور سسکیوں کے بیچ گزارنے کے بعد آخر کار اک ننھی سی خوشی اس کے دامن میں چلی آئی، عباس کا ہم شکل عباس کا بیٹا اس کی زندگی میں بہار لے آیا تھا، خوش ہونے کی بجائے وہ رو رو کر برا حال کررہی تھی۔

"عباس ہم کہاں ڈھونڈیں آپ کو، یہ خوشی ہم سے اکیلے برداشت نہیں ہورہی، یہ وقت ہم پر اس طرح آئے گا یہ ہم نے سوچا نہیں تھا، ہم نے تو کیسے کیسے خواب دیکھے تھے، کوئی بھی پورا نہ ہوا، ہم کتنے بدنصیب ہیں۔" وہ ننھے سے بچے کا منہ چومے روتے جارہی تھی۔

"یہ ہمارے عباس کا بیٹا ہے۔"

"وہ عباس جس نے ایک بار بھی مڑ کر نہ دیکھا کہ تم کہاں ہو۔" رفیق اس کی بات سن چکا تھا۔

"اگر اسے تم سے محبت تھی تو اسے آنا چاہیے تھا، مجھے تو لگتا ہے وہ بھی بھنورہ ہی تھا اس چوسا اور گیا۔" سلطنت کی روتی آنکھوں میں غصہ عود کر آیا۔

دل ہی دل میں وہ ان سے نہ کرنے کا شکوہ کرتی تھی مگر کوئی اس کے منہ پر اسے برا کہے اسے منظور نہیں تھا اور وہ شکوے کے باوجود جانتی تھی کہ اس کا عباس بے وفا نہیں ہے ضرور ان کی کوئی مجبوری رہی ہوگی۔

"تم کیا جانو محبت کیا ہوتی ہے۔"

"میری بلا سے مجھے جاننے کی ضرورت بھی نہیں۔" وہ کمرے کے اندر چلا آیا تو بچہ اس کے اندر آنے پر یا کچھ اور زور زور سے رونے لگا۔

"لگتا ہے اسے میرا یہاں آنا اچھا نہیں لگا۔" سلطنت نے اس کی بات سن کر غصے بھری نگاہ اس پر ڈالی۔

"وہ ہمارا بیٹا ہے جانتا ہے کس کو اندر آنا چاہیے اور کس کو نہیں۔"

"اب تو سدا وہ مجھے ہی دیکھے گا یہاں، دوسرا باپ جو بننے والا ہوں میں اس کا۔" رفیق کی بات پر سلطنت کا پورا بدن پسینے میں نہلا گیا۔

"تم نے سوچ بھی کیسے لی یہ بات۔" وہ اپنی طرف سے بڑی بے خوف ہو کر بولی۔

"جب پہلی بار تمہیں دیکھا تھا تب، میں تو بس تمہارے فارغ ہونے کا ہی انتظار کررہا تھا۔" سلطنت کے تو مارے خوف لمبے لمبے سانس آنے لگے۔

کہاں جائیں کیسے بچائیں خود کو، طرح طرح کے خیال اسے ستارہے تھے زندگی جیسے کسی بند کمرے میں قید ہو کے رہ گئی تھی اور اوپر سے قیامت یہ تھی کہ اس کمرے کا دروازہ بھی کوئی نہ تھا، اپنے بچے کو سینے سے لگا وہ ادھر ادھر پریشانی سے چکر لگارہی تھی۔

سلطنت کو کسی پل بھی قرار نہیں آرہا تھا اس سے پہلے کہ یہ میری عزت کے ساتھ کھلواڑ کرے، ہمیں یہاں سے چلے جانا چاہیے۔

"لیکن کہاں؟" یہ پہلا سوال تھا جو اس کے دل نے اس سے کیا تھا۔

"ہم کہاں جائیں؟ کون ہے ہمارا؟" اس کے دل کو جیسے زور سے کسی نے مٹھی میں بھر لیا

"کیا کریں ہم؟ میرے مولا میری مدد فرما۔" اس بند کمرے سے باہر نکل کر دیکھو شاید

کوئی راستہ مل جائے، اس کے اندر سے کوئی پکارا۔

دس پندرہ دن کے بچے کو لے کر ہم کہاں جائیں، یہاں سے نکلوں گی تو کیا یہ دنیا جینے دے گی ہمیں، ایک رفیق سے بچ کر نکلوں گی تو کئی رفیق راستہ روک کر کھڑے ہو جائیں گے۔

حمیدن خالہ کافی دیر سے اس کا پرشوق چہرہ دیکھ رہی تھیں اور پھر کچھ سوچتی وہ اس کے قریب چلی آئیں۔

"گھر سے بھاگی ہوئی لڑکیوں کو ہر کوئی کٹی پتنگ کی طرح اپنی طرف کھینچتا ہے، اپنا مال سمجھتا ہے۔" خالہ نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا جہاں ندامت کے مارے پسینے کے ننھے ننھے قطرے ابھر آئے تھے۔

"رفیق بڑا اچھا لڑکا ہے اور بہت چاہتا ہے تمہیں۔"

"خالہ آپ تو عورت ہیں سمجھ سکتی ہیں میرے درد کو۔" مارے ندامت کے اس سے بولا نہیں جارہا تھا۔

"عورت ہوں اسی لئے کہہ رہی ہوں کہ بہت سے مردوں کے ہاتھوں کا کھلونا بننے سے بہتر ہے ایک مرد کا ہو کر رہنا۔"

"نہیں میں ایسا نہیں کرسکتی، میں ایک شادی شدہ لڑکی ہوں۔"

"کہاں ہے تمہارا مرد، سال ہونے کو آیا میں نے تو دیکھا نہیں، یہ کیسا مرد ہے جس نے کبھی پوچھا ہی نہیں کہ اس کی عورت کہاں ہے۔" خالہ کی اس بات کا جواب اس کے پاس نہیں تھا اس لئے وہ خاموش ہی رہی۔

"تو لوگ کیا جانو کہ محبت کیا ہوتی ہے، میں کہیں بھی رہوں میں صرف ان کی ہوں، جس دن مجھے کوئی غیر مرد چھوئے گا وہ دن میری زندگی کا آخری دن ہوگا۔" خالہ کو تو اس نے کچھ نہیں کہا تھا لیکن اندر سے وہ بلک بلک کر رو رہی تھی۔

"وہ تم پر اتنا پیسہ کیوں خرچ کررہا ہے یہ گھر بار صرف تمہیں پانے کے لئے، میں اب بھی کہتی ہوں اسی میں عقل مندی ہے، مان جاؤ اس کی بات۔" خالہ تو بات کر کے چلی گئی تھی مگر وہ بہت سی سوچوں کے شکنجے میں آپھنسی تھی، اس سے پہلے کہ وہ کوئی انتہائی قدم اٹھائے ہم یہاں سے چلی جائیں گے۔

عباس کے ذہن میں سب سے پہلا خیال خورشید جہاں کا آیا تھا، وہ اس کی ہمراز ہے وہ ضرور جانتی ہوگی کہ وہ کہاں ہے دل کے اندر جیسے خوشی کی رمق جاگی۔

☆☆☆

"آپ نے لکھنو کیا چھوڑا سلطنت کی زندگی میں تو قیامت ہی آگئی، کیا کیا نہیں ہوا اس کے ساتھ۔" خورشید کے سامنے بیٹھا وہ وقت کے گھیراؤ میں آگیا تھا جو جانے کتنے موڑ مڑتا اسے پھر واپس اسی جگہ لے آیا تھا، جہاں اس کی زندگی نے صحیح معنوں میں جینا سیکھا تھا یہ وہی گھر تھا جہاں سلطنت کی چاہتوں کے بادل اس پر ٹوٹ کے برسے تھے، اسے چھو کر زندگی بہار بن گئی تھی اس وقت، وقت نے کیسا موڑ مڑا تھا اور آج کیسا موڑ کاٹ رہا تھا، اس نے تاسف سے سوچتے ہوئے اپنے ہونٹ دانتوں تلے دبا لئے۔

وقت کے گرداب میں زندگی پھنس کے رہ گئی تھی، وہ کیا کرے، کہاں جائے اسے ڈھونڈنے، کوئی سراغ ہاتھ نہیں لگ رہا تھا۔

"دراصل وقت کی سفاکی میرے علم میں نہیں تھی، میں نہیں جانتا تھا کہ وہ اتنے بڑے بڑے دھوکے بھی دے سکتا ہے، ورنہ میں اپنی سلطنت کو ایک لمحے کے لئے بھی خود سے دور نہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

کرتا۔" عباس کی دردناک آواز سارے کمرے کے ماحول کو نم ناک کر گئی۔

گرمی کا زور اپنے جوبن پر تھا، عباس نے اپنی شرٹ کی بازو اوپر کو فولڈ کر رکھی تھیں لیکن اسے گرمی سے زیادہ سلطنت کی ٹینشن تھی جو جانے کس حال میں ہو گی، وہ خورشید سے اسی کے بارے میں پوچھنا چاہ رہا تھا۔

اور پھر اس کے پوچھنے پر خورشید نے اس کا آگرہ سے آیا ہوا تھا خط پکڑا دیا۔

خط پڑھتے ہوئے اس کے چہرے کا رنگ پل پل بدل رہا تھا اور پھر یہ جملہ پڑھتے ہوئے "کہ عباس لکھنو آئے کے نہیں" اس نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں، مگر پھر دوسرے ہی لمحے عباس کی آنکھیں ستاروں کی مانند لو دینے لگی تھیں ایسا کیا پڑھ لیا تھا اس نے کہ پل میں اس کا رنگ بدل کر حقیقی رنگ میں بدل گیا۔

"بچہ۔" فرط جذبات میں عباس کے لبوں سے بے اختیار یہ لفظ ادا ہو گیا۔

"میرا بچہ۔" خورشید کی طرف اٹھی اس کی نگاہوں میں ہلکے ہلکے خوشی کے ستارے جھلملا رہے تھے، عجیب سی مسرت تھی جس نے پل بھر کے لئے اس کے ذہن پر چھائے سارے غموں کو زائل کر دیا۔

"میرا اور سلطنت کا بچہ۔" خوشی وانبساط کی کیفیت میں اس نے وہ خط اپنے لبوں سے لگا لیا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا، خورشید کی آنکھوں میں بھی ستارے سے جھلملا رہے تھے وہ دونوں اس کے لئے کتنے اہم تھے یہ وہی جانتی تھی اس کی عزیز از جان سہیلی۔

وہ خط آگرہ سے آیا تھا اس نے مزید کوئی بھی بات خورشید سے نہیں ہوئی تھی اسی وقت وہ واپس ہو گیا، وہ جلد از جلد آگرہ پہنچا چاہتا تھا جہاں اس کی بیوی اور بچہ جانے کس حال میں ہوں گے اب تو وہ دنیا میں آچکا ہو گا، خط کی تاریخ پڑھتے ہوئے اس نے اندازہ لگایا، میرا معصوم بچہ، اس کی آنکھوں میں پانی کی مقدار بڑھتی جا رہی تھی اور وہ ایسا کندھا تلاش کر رہا تھا جہاں وہ سر رکھ کر جی بھر کر رو سکے۔

☆☆☆

"پھر تم نے کیا سوچا ہے بٹیا۔" حمیدن خالہ ننھے محمد کو ہاتھوں میں اٹھاتے ہوئے تھیں کتنی مجبور تھی وہ جسے اپنی بوا کے قاتلوں کے ساتھ رہنا پڑ رہا تھا، آخر وہ اس ظالم دنیا سے بچ کر کہاں جائے۔

"خالہ آپ کو نبی کا واسطہ آپ اس موضوع پر ہم سے بات مت کیا کریں، ہم پہلے ہی کسی گناہ کی سزا بھگت رہی ہوں آپ کوئی اور گناہ نہ کروائیں ہم سے۔" اس نے تو باقاعدہ خالہ کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔

"ہمارے شوہر سلامت ہیں وہ ضرور آئیں گے ہمیں لینے کے لئے ہم دونوں اک دوسرے سے بہت محبت کرتے ہیں، عباس کے علاوہ ہر مرد ہمارے اوپر حرام ہے۔" بات وہ خالہ سے کر رہی تھی لیکن خالہ کے ساتھ ساتھ اس کی باتیں کوئی اور بھی سن رہا تھا۔

"اب چاہے حرام سمجھو یا حلال میں تو جو میرے دل میں ہے وہ کر کے چھوڑوں گا۔" رفیق نے اسے بالوں سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا اور وہ جو اپنے دھیان میں خالہ سے باتیں کر رہی تھی اس اچانک پڑنے والی افتاد پر بوکھلا گئی۔

"چھوڑو۔" اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کی مدد سے اس کی گرفت سے اپنے بال چھڑانے کی کوشش کی، تکلیف سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"چھوڑو خالہ۔" اس نے مدد کے لئے خالہ کو پکارا۔

"اس کی بات نہیں مانو گی تو یہ کچھ تو ہو گا۔" خالہ کی بات سن کر وہ پریشان و حیران نہیں ہوئی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ خالہ اسی کی سپورٹر ہے وہ تو بس اسے چھڑانے کے لئے مدد مانگ رہی تھی۔

"یہ تمہارے باپ کی حویلی نہیں جہاں تم جو چاہو گی ہو گا، یہاں جو رفیق چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔" بال چھوڑنے کے بعد وہ اسے کندھوں سے پکڑ کر انہیں جھنجھوڑتا ہوا دہشت زدہ کرنے والے انداز میں بولا، رفیق کی باتوں کی بجائے اس کے برتاؤ نے اسے رلا دیا تھا آج پہلی دفعہ کسی نے ایسے لہجے اور ایسے برے طریقے کے ساتھ اس سے بات کی تھی، دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے وہ زور زور سے رو رہی تھی ننھے محمد کے رونے کی آواز بھی آ رہی تھیں اپنی ماں کا غم شاید اس سے بھی سہا نہیں جا رہا تھا۔

"عباس۔" اس کے دل نے بڑے غضب ناک انداز میں عباس کو آواز دی تھی، اپنے پیار کو پانے نکلے تھے ہم اور کہاں آ گئے۔

"تمہیں پانے کے لئے جانے کتنے کتنے پاپڑ بیلنا پڑے ہیں مجھے۔" اس نے ہنستے ہوئے حمیدن خالہ کو آنکھ کا اشارہ کیا وہ بھی مسکرا دی۔

"اب ذرا بھی چوں چوں کی تو تمہاری بوا کی طرح تمہیں بھی کسی گندے نالے میں پھکوا دوں گا۔" بوا کے نام پر سلطنت کی روتی آنسوؤں سے بھری آنکھیں رفیق کی طرف اٹھیں۔

"جو سوچ رہی ہو وہ بالکل ٹھیک ہے، تمہارے اور میرے درمیان وہ بڑھیا روڑے اٹکانے لگی تھی، تھپڑ مارا تھا اس نے میرے منہ پر، سالی کو ایسی جگہ بھیجا ہے جہاں سے کبھی واپس نہیں آئے گی۔"

"تم..... تم نے مارا میری بوا کو۔" وہ دھاڑنے والے انداز میں بولی، پتہ تو تھا اسے۔

"کیوں مارا ہماری بوا کو تم نے، قاتل ہم تمہیں پولیس میں دے دیں گے، سب کو بتائیں گے تم نے مارا ہے انہیں۔" سلطنت کی بات سن کر وہ زور زور سے ہنسنے لگا۔

"لو اور سن لو، جیسے پولیس والے جانتے ہی نہیں کہ کس نے مارا ہے، او بی بی پیسے سے سارے کام ہو جاتے ہیں، لکشمی دیوی کے آگے ہر کوئی جھک جاتا ہے، جاؤ جس کو بھی بتانا ہے بتاؤ۔" مارے خوف کے سلطنت کے پسینے چھوٹ گئے اتنا ظالم انسان ہے یہ، وہ روتے روتے زمین پر بیٹھ گئی، اس کی ماں جیسی بوا کو اس انسان اتنی اذیت ناک موت دی۔

"تمہیں خدا کبھی معاف نہیں کرے گا۔"

"خالہ آپ نے بھی نہیں روکا اسے۔"

"میں تو پہلے بھی اسی کے دیئے پر زندہ تھی اور اب بھی اسی کے سہارے زندگی گزار رہی ہوں، یہ جو کہتا ہے میرے سر آنکھوں پر ہوتا ہے اسے کیا کہتی ہوں مجھ سے پوچھو، یہ جو ہوا ہے وہ ہم دونوں کے باہم مشورے کے ہی ہوا ہے۔" سلطنت کے حقیقت سن کر آنسو نہیں تھم رہے تھے، دنیا کے بدلتے رنگ، رشتوں پر سے اعتبار اٹھ سا گیا تھا، حمیدن خالہ بوا کی خالہ زاد تھیں وہ کتنے اعتماد سے اسے ان کے پاس لائیں تھیں کہ وہ ضرور ہماری مدد کریں گی، لیکن ان کے اعتبار کا یہ صلہ کہ جان سے ہاتھ دھونے پڑ گئے۔

"خالہ آپ کو تو اپنے رشتے کا مان رکھنا چاہئے تھا، خالہ نے آپ کے ساتھ تو کچھ بھی برا نہیں کیا تھا۔" وہ اٹھی اس نے آگے بڑھ کر خالہ کے ہاتھ سے اپنا بیٹا لے لیا اور پھر واپس نیچے فرش پر بیٹھ گئی، رفیق ابھی بھی اس کے سامنے کھڑا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

"یہ آدمی جو برسوں سے میری کفالت کر رہا ہے میں اس کا مان رکھتی یا اس کا جو برسوں بعد مجھے ملی۔" خالہ نے بڑی سفاکی سے جواب دیا۔

"رشتے تو رشتے ہوتے ہیں۔"

"اب یہ بھاشن دینا بند کرو اور میری بات غور سے سنو، ایک دو روز میں، میں تم سے نکاح کرنے والا ہوں، سارے انتظامات ہو چکے ہیں۔" رفیق کی بات سن کر اسے جیسے کرنٹ لگ گیا۔

"ہم اپنی جان دے دیں گے، ہم تم سے نکاح نہیں کریں گے۔" سلطنت بڑے حتمی لہجے میں اسے دیکھ کر بے خوف انداز میں بولی آخر کو یہ اس کی زندگی کا معاملہ تھا، کیا کرے گا یہ زیادہ سے زیادہ مار ہی دے گا ناں تو ایسی زندگی سے تو موت ہی اچھی ہے۔

"کیا کہا۔" اس نے آگے بڑھ کر غصے سے اسے جبڑوں سے پکڑ لیا۔

"نہیں مانو گی۔" ان دونوں میں ہونے والی باتیں سنتی خالہ باہر نکل گئیں وہ جانتی تھیں کہ جو وہ کہتا ہے کرتا ضرور ہے۔

"نہیں مانیں گے ہم۔" اس نے اپنے ہاتھ سے مکا بنا کر اس کے ہاتھ پر مارا کر اپنا جبڑا چھڑوایا، ننھا محمد جو اس کی گود میں سو رہا تھا اٹھ کر رونے لگا سلطنت نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

"تم ایسے نہیں مانو گی۔" وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور کچھ سوچتا کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

عباس پورے نو دس مہینوں کے بعد اپنے ماموں کے ہاں آیا تھا، خورشید کے گھر سے وہ سیدھا ادھر آیا تھا، چھوٹی ممانی رو رو کر اسے ملی تھیں۔

"بڑے بھیا کیا گئے اس گھر اس گھر کی تو رونق ہی چلی گئی، کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے یہ گھر۔" چھوٹے ماموں کی بھی طبیعت خراب تھی اس لئے وہ آج گھر ہی تھے، عباس سیدھا ان کے کمرے میں آیا تھا ماموں کو بستر پر لیٹا دیکھ کر وہ حیران رہ گیا، پہلے والے ماموں سے اب والے ماموں کتنے مختلف لگ رہے تھے، کمزور، نحیف، نحیف سے، ممانی بتا رہی تھیں کہ بھیا کی جدائی نے آدھا کر دیا ہے انہیں ہر وقت دھیان انہی کی طرف لگا رہتا ہے اور کچھ آغائی بیگم (عباس کی والدہ) کی جدائی نے بیمار کر دیا، جب سے وہ فوت ہوئی ہیں یہ بستر سے جا لگے ہیں۔

عباس نے گھر پر اک نظر ڈالی، ویرانی سی چار سو پھیلی تھی گرمیوں کے دن تھے ہر طرف سناٹے کا راج تھا، ماموں کے دونوں بیٹے اسکول گئے ہوئے تھے بس وہ دونوں میاں بیوی گھر میں رکھی غیر اہم چیزوں کی طرح چپ چاپ ایک کمرے میں پڑے ہوئے تھے، بھائی بھائی کا سہارا ہوتا ہے، اس جملے کی حقیقت اس پر اب آشکار ہوئی تھی، ماموں ممانی سے ملنے کے بعد وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا آیا بے کل ویسا ہی کمرہ تھا جیسا وہ چھوڑ کر گیا تھا، ہر چیز کرینے کے ساتھ اپنی اپنی جگہ پر موجود تھی نوابن پتہ نہیں کہاں ہے؟ اس کے ذہن نے ایسے ہی سوچا، اس گھر میں اس کا مقام بھی گھر کے مکیں جیسا ہی تھا اس کی طرف دھیان جانا اچنبھے کی بات نہیں تھی، ممانی اس کے پیچھے ہی چلی آئیں۔

"گھر کے مکینوں کے بغیر گھر گھر نہیں ہوتا، اکثر اکیلی پھرتی میں یہی سوچتی رہتی ہوں کاٹ کھانے کو دوڑتی ہے تنہائی، بڑی بھابھی ہوتی تھیں تو کوئی بات نہیں بھی ہوتی تھی تو ہم بولتی رہتی تھیں گھر کا آدھے سے زیادہ نظام وہ خود

چلاتی تھیں، میرے اوپر کوئی ذمے داری نہیں تھی، لیکن اب ہر کام میری ذمے داری ہے۔" ممانی جان اپنے رونے روئے جا رہی تھیں، عباس ان کی باتیں بھی سن رہا تھا لیکن اس کا ذہن سلطنت اور اپنے بچے کی سمت دوڑ لگائے ہوئے تھا، پریشانی کے ساتھ ساتھ اک خوش کن احساس اسے گھیرے ہوئے تھا، کاش سلطنت میں اس وقت تمہارے پاس ہوتا، اپنے بچے کو تمہاری بانہوں میں کھیلتے دیکھتا۔

"اور سناؤ گھر میں سب ٹھیک ٹھاک ہے ناں، اکبری کیسی ہے، ناہید، زینو۔" ممانی جان بڑے اشتیاق کے ساتھ اس کی طرف دیکھ رہی تھیں، انہوں نے فرداً فرداً سب کے بارے میں پوچھا تھا۔

"الحمدللہ ہر طرف خیر و عافیت ہے، ہاں میں جب ہندوستان آنے کا قصد کر رہا تھا تب زینو کراچی سے لاہور رہنے آئی تھی۔"

"چلو شکر ہے خدا کا بچیاں اپنے گھروں میں آباد ہیں، بھیا صاحب کیسے ہیں، آغائی بیگم کے بعد تو تنہا ہو گئے ہوں گے، بیوی کا ساتھ ہونا بہت بڑی نعمت ہوتا ہے، بندہ سو اپنے دکھ سکھ بانٹ لیتا ہے۔" ممانی جان کی بات سن کر اس نے اک ٹھنڈی سی آہ بھری، بالکل ٹھیک کہہ رہی تھیں وہ، ایک دوسرے کے ساتھ مل کر چلنا، بڑی خوش قسمتی کی بات ہوتا ہے اور میں ابھی تک ان بدنصیب لوگوں میں شمار ہوتا ہوں جن کی محبوب ان کے ساتھ نہیں اور اس میں قصور بھی میرے نصیب کا ہے ناماں بیمار ہوتی نہ میں اسے چھوڑ کر جاتا اور نہ یہ دوریاں پیدا ہوتیں نا فاصلے حائل ہوتے، لیکن اپنے نصیب کو میں خود ہی بدلوں گا، اس نے بڑے پرعزم انداز میں خود کو جواب دیا۔

ممانی جان اب بھی اس کے سامنے بیٹھی، باتیں پوچھ رہی تھیں۔

"سنا ہے حسن مستقل اعظم گڑھ آ گیا، میرے چچا کا بیٹا ملتا تھا مجھے لکھنو آیا تھا وہ پچھلے دنوں، بتا رہا تھا ظہورن بی بڑے ٹھاٹھ سے رہ رہی ہے میاں کو بھی نوکری مل گئی ہے۔" ممانی جان کی بات سن کر عباس کو جیسے اطمینان ہوا تھا کہ چلو بھائی بھابھی سیٹ تو ہیں چاہے کہیں بھی رہیں۔

"میاں یہاں تو بہت گرمی ہے میں تو کہتی ہوں نیچے ہی چلے چلو۔" ممانی کو گرمی کا احساس ہوا تو اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"نہیں ممانی جان، میں جب تک یہاں ہوں زیادہ وقت اپنے کمرے میں ہی بتانا چاہتا ہوں۔"

"جیسے تمہاری مرضی۔" وہ جانے لگیں تو جانے آگے جا کر کیا خیال دل میں آیا اور وہ پھر واپس آ گئیں۔

"اکبری کیسی ہے تمہارے ساتھ ٹھیک رہتی ہے ناں۔" اکبری کے ذکر پر وہ چونک گیا کیونکہ فی الحال وہ اس وقت دور دور تک اس کے ذہن میں نہیں تھی۔

"بہت اچھی ہے اور بہت اچھے سے رہ رہی ہے۔" عباس نے ایک جھوٹ بول کر ممانی جان کو مطمئن کر دیا۔

"میں تو پہلے ہی کہتی تھی کہ وہ بڑی خوش قسمت ہے عباس بہت اچھا لڑکا ہے۔" ممانی جان کی بات پر وہ مسکرا دیا تو وہ دوبارہ زینے کی طرف مڑ گئیں۔

☆☆☆

رات تیسرے پہر کا گجر بجا رہی تھی، تیسرا پہر یعنی کے رات کا آخری پہر، یہ رات کا ایسا پہر ہوتا ہے جب گہری نیند انسان کو اپنی آغوش میں

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

لے لیتی ہے، دنیا و مافیہا سے بے خبر وہ جانے خواب کے ہمراہ کن کن وادیوں کی سیر کرتا پھرتا ہے۔

سلطنت اپنے ننھے بیٹے کے ساتھ اس گھر کے اکلوتے کمرے کے فرش پر تھکی ہاری سو رہی تھی، حمیدن خالہ آنگن میں کھٹیا بچھائے ہوئے تھیں، آگرہ کے کھلے آسمان پر چاند کے ساتھ ساتھ چمکتے ستاروں کا راج تھا، چاندنی ہولے سے آسمان کے زینے سے اترتی نیند کی وادی میں ڈوبے ہوئے، دن بھر کی گرمی سے نڈھال لوگوں پر ٹھنڈک بن کر چھا رہی تھی، ہر طرف پرسکون سی خاموشی چھائی تھی ایسی خاموشی جو ٹوٹے تو دکھ ہوتا ہے۔

لیکن حمیدن خالہ جاگ رہی تھی اسے کسی کا انتظار تھا۔

سرمئی اندھیرے میں ڈوبے درختوں کی شاخوں پر بیٹھے پرندے پروں میں سر دیئے نیند کی مزے لوٹ رہے تھے۔

آگرہ کا آسمان چاند کی سنگت میں اپنے بخت پر نازاں سرمئی اندھیرے کے ساتھ اٹھکیلیاں کر رہا تھا۔

لیکن دھرتی کی آغوش میں بکھرے ہوئے ان موتیوں میں سے ایک موتی ایسا بھی تھا جس کا بخت اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مٹی میں رولنے والا تھا۔

دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی، خالہ جو پہلے سے چوکنی ہو کر بیٹھی تھی جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی اور دروازہ کھول دیا، رفیق نشے میں دھت خالہ کے اوپر ہی آن گرا مگر خالہ پہلے سے ہی اس کی ان عادتوں سے واقف تھی اس لئے بغیر آواز پیدا کیے دروازہ بند کرتی اسے سہارا دے کر آنگن میں لے آئی اور اسے کھٹیا پر بیٹھا دیا، دونوں میں ہمیشہ کی طرح پہلے کوئی بات طے ہو چکی تھی اس لئے وہ بڑی خاموشی کے ساتھ اپنا کام سرانجام دے رہی تھی۔

سلطنت کے پہلو سے وہ بڑے سلیقے گے ساتھ ننھا محمد اٹھا لائی تھی، بچہ بھی گہری نیند میں تھا ماں کی طرح، ہائے رہی گہری نیند۔

رفیق بھی نشے کے باوجود طے ہوئے پروگرام کے تحت اٹھ کر کھڑا ہو گیا، خالہ نے بچے کو کھٹیا پر سلا دیا اور آنکھوں سے رفیق کو اندر جانے کا اشارہ کیا، وہ نشے سے سرشار کمرے کی طرف بڑھ گیا اور اندر سے کنڈی لگالی، خالہ اس سے بھی سیانی تھی اس نے پکڑ باہر سے بھی کنڈی لگادی۔

دروازہ بند ہو گیا، سلطنت قسمت کے ہاتھوں مات کھانے جا رہی تھی وہ قسمت جس نے کبھی اسے پھولوں کی پتیوں پر چلایا تھا دودھ میں نہلایا تھا وہی قسمت آج دو کوڑی کے آدمی کے ہاتھوں اسے برباد ہوتا دیکھ رہی تھی۔

آگرہ کا آسمان پہلے بھی خاموش تھا اور اب بھی خاموش ہے، کیوں وہ اتنے بڑے ظلم کے خلاف آواز نہیں اٹھا رہا، کیوں ایسی پیاری لڑکی کو برباد ہوتے دیکھ رہا ہے جو اپنے پیار کی خاطر اپنا گھر بار چھوڑ آئی تھی، کیوں اسے سچی خوشی نہ مل سکی۔

چاند تارے سب اپنے اپنے دائرے میں خاموشی کے ساتھ محو سفر تھے، اس ظلم کے خلاف کوئی سرخ آندھی نہ چلی، نہ تارے ٹوٹے اور نہ بجلی کڑکی۔

چاند شرمندہ سا بادلوں کی اوٹ میں ہولیا تھا جو جانے کہاں سے آ نکلے تھے، ابھی تو آسمان صاف تھا ہر چیز اپنے توازن کے ساتھ چل رہی تھی، پھر یہ کیسے بادل آئے تھے جو کسی کی شرمندگی

مٹا رہے تھے اور کسی کی بڑھا رہے تھے۔

ہر طرف خاموشی چھائی تھی صرف اس کی فلک شگاف چیخوں کی آوازیں سینہ پھاڑ رہی تھیں، اس کی آواز کمرے کی دیواروں کے ساتھ سر پٹخ رہی تھی کوئی اس کی فریاد سننے والا نہیں تھا، حمیدن خالہ کانوں میں روئی ٹھونسے مزے سے سو رہی تھی، کتوں کے بھونکنے کی آوازیں بھی نہیں آ رہی تھیں، وہ بھی ہانپ چکنے کے بعد نیند کی وادی میں اتر چکے تھے۔

عباس کے دل کی ملکہ کسی اور کے ہاتھوں برباد ہو رہی تھی، وہ عباس جس کے لئے وہ امن اور پیار کا گہوارہ تھی جس کی خاطر وہ اتنی دور سے آیا تھا جس کی خاطر اس نے اکبری کو نظر انداز کیا، تو کیا یہ اس کی بددعاؤں کا نتیجہ ہے۔

تو کیا پیار کرنا گناہ ہے اور پیار کا ہمیشہ کے لئے ہو رہنا یہ بھی گناہ ہے، اگر نہیں تو پھر اس کی اتنی بڑی سزا کیوں؟ کیوں زمانے کے دل میں رحم نہیں آ رہا؟

دھیرے دھیرے اونچی اونچی آوازیں آنا بند ہو گئیں بس سسکنے کی آوازیں دروازے پر دستک دے رہی تھیں کہ کوئی تو کھولوا سے۔

یہ دروازہ اگر کھل بھی جائے تو اب کیا فرق پڑتا ہے، باقی دروازے تو اس پر ہمیشہ کے لئے بند ہو گئے تھے۔

☆☆☆

آگرہ ریلوے اسٹیشن پر اس نے قدم رکھا تو دل خوشی سے سرشار ہو گیا اس نے اپنے اردگرد نظر دوڑائی، یہ وہی شہر ہے جہاں اس کے دل کی ملکہ اور اس کا بیٹا سانس لے رہے ہیں اور آج اس کی سانسیں بھی ان کی سانسوں میں شامل ہو گئیں کیسا خوش آئند احساس تھا۔

آگرہ دو پیار کرنے والوں کے ملن کی یادگار یہ شہر جہاں تاج محل بہار کا سمبل بنے آنے والوں کو خوش آمدید کہتا ہے، یہ ممتاز محل کے محبوب شوہر شاہ جہان کا شہر ہے جو اپنے محل کے پہلو میں بہنے والی جمنا کو اپنا ساتھی بنا کر ممتاز تک اپنے دل کی تڑپ پہنچاتا تھا یہ پیار بھی کیسا عجیب رشتہ ہے جو اپنے علاوہ اور کچھ بھی سجھائی نہیں دینے دیتا۔

کسی تانگے والے کے پکارنے پر وہ ادھر کو ہولیا اور پھر خورشید کے بتائے ہوئے پتے پر چلنے کے لئے کہتا خود بھی تانگے کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا، اس کے ہاتھ میں مختلف تھیلے تھے، سلطنت اور اپنے بیٹے کے لئے وہ لکھنو سے کچھ لے کر آیا تھا، آج پہلی دفعہ وہ اپنا بچہ دیکھے گا، سینے کے اندر اک عجیب سی کشش ہچکولے کھا رہی تھی کیسا میٹھا سا احساس تھا جو اسے اندر ہی اندر گدگدا رہا تھا، تانگہ مختلف علاقوں سے ہوتا ہوا اپنی منزل کی طرف رواں تھا، خاموش سڑکوں پر تانگے کی ٹپ ٹپ کی آوازیں بہت بھلی لگ رہی تھیں اور آج تو اسے سب کچھ ہی بہت اچھا لگ رہا تھا خوشی سے چہرے کا رنگ ہی بدل چکا تھا۔

اس نے اک ٹھنڈی سی آہ بھری، پچھلے ایک سال سے میری سلطنت جانے کن حالات سے گزر رہی ہے، میری خاطر اس نے گھر چھوڑا، محل چھوا، کٹیا بسالی، نا جانے کیسے نا مساعدہ حالات سے واسطہ پڑا ہوگا۔

سلطنت میں تمہارے پیروں میں چبھنے والے سارے کانٹے اپنے ہاتھوں سے نکالوں گا، اپنی محبت سے تمہارے دل پر لگے زخموں پر مرہم رکھوں گا، میرے اور میرے بچے کے لئے تم نے جو بھی جو کھم اٹھائے ہیں میرے سر آنکھوں پر۔

دل ہی دل میں وہ سلطنت سے مخاطب تھا، تانگے نے اک موڑ کاٹا، لمبی سی خالی سڑک پر صرف دھوپ کا راج تھا، گرمی کے مارے سڑک

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

آگ اگل رہی تھی، تانگے والے نے سڑک کے کنارے کھڑے اکلوتے درخت کے نیچے تانگہ کھڑا کیا وہ گھوڑے کی پیاس کی شدت جان گیا تھا، تانگے کی سیٹ کے نیچے سے اس نے لوہے کا ٹین نکالا اور پھر تھوڑی دیر بعد جانے کہاں سے پانی سے بھرا ٹین لا کر اس نے گھوڑے کے آگے رکھ دیا، پیاس کی شدت نے اسے پاگل کیا ہوا تھا دیکھتے دیکھتے وہ پانی سے بھرا سارا ٹین ختم کر گیا، گھوڑا زور سے ہنہنایا، جیسے اپنی زبان میں اپنے مالک کا شکریہ ادا کر رہا ہو۔

گھوڑے نے ہولے ہولے اپنی منزل کی طرف چلنا شروع کیا اور پھر جیسے وہ ہوا سے باتیں کرنے لگا اور پھر وہ تھوڑی دیر بعد اپنی جائے منزل پر کھڑا تھا۔

یہ آگرہ کی چند غریب بستیوں میں سے ایک بستی تھی، عباس چند ثانیے تک بڑی عجیب نظروں کے ساتھ اردگرد کے ماحول کو دیکھتا رہا، گندے پانی کے جوہڑ جن میں گائے بھینس بیٹھی تھیں۔

کچی گلیوں میں بچوں کے دوڑنے کے باعث دھول اڑا رہی تھی۔

عباس کو جیسے یقین نہ آیا کہ وہ لکھنو کے نواب رجب علی کی بیٹی سلطنت جو چلے تو دو خادمائیں اس کی حفاظت کے لئے ساتھ ہوتی تھیں وہ یہاں رہ سکتی ہے، وہ بے یقینی کے سے انداز میں اپنے ہونٹ کاٹنے لگا اور تانگے والے سے دوبارہ اس جگہ کی تصدیق کی۔

جگہ وہی تھی مگر اس کا دل نہیں مان رہا تھا، تانگے والے کو فارغ کرنے کے بعد وہ پتہ ہاتھ میں پکڑے بستی کے اندر داخل ہوا، اس بستی میں اکثریت ایسے مکانوں کی تھی جن کی دیواریں ٹین کی بڑی بڑی چادروں سے بنائی گئی تھیں اور مٹی سے بنے ہوئے گھر بھی شامل تھے، لوگ اپنے اپنے کاروبار زندگی میں مصروف تھے، سائیکلوں والوں اور ریڑھی والوں سے بچتا وہ ایک دکان کے آگے کھڑا ہو گیا اور اسے پتے والی پرچی تھما دی، پتہ پڑھ کر اس نے چند اشارے بتائے اسے۔

وہ اس کے بتائے ہوئے پتے کے مطابق ایک لمبی سے گلی میں داخل ہوا جس کی ایک طرف مکان تھے اور دوسری طرف قبرستان، میری سلطنت یہاں رہتی ہے لحہ لحہ اس کے دل میں اک ٹیس سی اٹھ رہی تھی جتنی خوشی اور سرشاری لئے وہ ایک شہر میں داخل ہوا تھا یہاں آ کر اتنا ہی اداس اور مایوس ہو گیا تھا، کیا سوچا تھا اور کہاں آ گیا وہ۔

گلی میں کافی رش لگ رہا تھا جیسے بہت سارے لوگ جمع ہوں یہاں، اس نے سوچا اور تھیلے ہاتھ میں پکڑے آگے بڑھتا رہا، جوں جوں وہ آگے جا رہا تھا لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا وہ سوچنے لگا کہ ایسا کیا ہو گیا ہے یہاں جو اتنے لوگ جمع ہیں۔

پتے کے مطابق وہ جس گھر کے سامنے کھڑا تھا اسی گھر کے اندر لوگ جمع تھے، گھر تو کھچا کھچ بھرا ہوا تھا لوگوں سے۔

''کیا اسی گھر میں سلطنت رہتی ہے۔'' وہ لوگوں کو پیچھے ہٹاتا اندر داخل ہو گیا اور پھر جو سین اس نے دیکھا اسے دیکھنے سے پہلے اسے موت آ گئی ہوتی تو اچھا تھا، پل بھر کے لئے وہ جیسے بالکل خالی الذہن ہو گیا، اسے کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہی تھی، ایسا کیا دیکھ لیا تھا اس نے جس کو اس کا ذہن قبول نہیں کر رہا تھا۔

ہاتھوں میں پکڑے ہوئے تھیلے زمین پر گر چکے تھے ان میں سے چیزیں باہر نکل کر بکھر گئی تھیں، سلطنت کے کپڑے بچے کے کھلونے اس

...ے اسی کسی چیز کی ہوش نہیں تھی وہ تو بس ...ٹی آنکھوں سے اپنی سلطنت کو دیکھ رہا تھا ...ں کے ہاتھ ہتھکڑیوں میں جکڑے ہوئے تھے، ...ی پولیس کے سامنے وہ سر جھکائے کھڑی تھی، ...یا ہو گیا تھا اس سے، کیوں اس کے ہاتھ ...کڑیوں میں بندھے ہیں، پے در پے وہ اپنے ...ے سوال کر رہا تھا لیکن اس کے سوالوں کا ...اب اس کے پاس نہیں تھا کون تھا جو اسے بتاتا ...اس کی سلطنت کے ساتھ کیا ہوا ہے۔

وہ بڑی مشکل سے قدم اٹھاتا اس سمت ...نے لگا، پیر تو جیسے من من کے ہو گئے تھے اٹھ ...نہیں رہے تھے، سلطنت اب بھی اسی حالت ...ں کھڑی تھی، خاموش نظریں جھکائے ہوئے بس ...ں کے قریب کھڑی ایک عورت جیسے اسے کوسنے ...رہی تھی بلکہ ایک دفعہ تو اس نے سلطنت کی کمر ...بھی رسید کیا اور عباس کو لگا جیسے یہ تھپڑ سلطنت ...نہیں اس کے منہ پہ مارا ہو۔

وہ آنکھوں میں ڈھیروں آنسو لئے سلطنت ...کے سامنے کھڑا ہو گیا پولیس والے اسے منع ...کرتے رہے لیکن وہ کسی کی نہ سنتا آگے بڑھ آیا۔

''کون ہیں آپ اور یہاں کیوں آئے ہیں؟'' لیڈی پولیس نے بڑی ناگواری کا اظہار کیا۔

''میں سید عباس زیدی، سلطنت کا شوہر۔'' ...سنا تھا کہ ہتھکڑیوں سے بندھے ہوئے ...ہاتھوں میں جنبش ہوئی لیکن جھکا ہوا سر اٹھا نہیں، ...عباس نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا لیکن سلطنت کا جیسے کندھے کو پیچھے کرتے ہوئے اس کا ہاتھ جھٹک دیا، عباس اس وقت جس ذہنی کشمکش کا شکار تھا اس نے غور نہیں کیا۔

''آپ یوں میری بیوی کو ہتھکڑیوں میں ...کر نہیں رکھ سکتے۔'' عباس کی بات پر اس نے سر اوپر اٹھایا اور عباس کی سمت دیکھا، سپاٹ آنکھیں، سلے ہوئے ہونٹ، پیلا رنگ، کمزور چہرہ، کیا یہ وہی سلطنت ہے جسے وہ چھوڑ کر گیا تھا۔

قسمت کے دیئے ہوئے دھوکے کو وہ بڑی سپاٹ نظروں سے دیکھ رہی تھی، آنکھیں خاموش تھیں مگر موتیوں کی طرح ان سے بہتے والا پانی کوئی اور ہی کہانی کہہ رہا تھا، عباس بے چین ہو گیا، تنو کا روتا اس سے کہاں برداشت ہوتا تھا۔

''خون کیا ہے تمہاری بیوی نے۔'' لیڈی پولیس دھاڑنے والے انداز میں بولی، عباس کے سر پر تو جیسے پتھر سا آن گرا مگر سلطنت اسی سپاٹ سے انداز میں آنسو بہا رہی تھی۔

''یہ نہیں ہو سکتا، آپ لوگوں کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے، یہ...... یہ کیسے خون کر سکتی ہے۔'' عباس مان ہی نہیں رہا تھا اور وہ مانتا بھی کیسے اس کی سلطنت ایسی تھی ہی نہیں، وہ تو بڑی نازک پیار کرنے والی لڑکی تھی وہ کسی کا خون بھلا کیسے کر سکتی ہے۔

عباس کے یوں اس کے مددگار کی حیثیت سے بیچ میں آ جاتے ہر لوگ ایک دوسرے کے کانوں میں سرگوشیاں کرنے لگے تھے۔

''ہم سے کیا کہتے ہو اسی سے پوچھ لو۔'' حیدن خالہ نے سلطنت کو بازو سے پکڑ کر عباس کی سمت دھکا دیا۔

''یہی ہے قاتل رفیق کی، اس نے بھاری پتھر اس کے سر پر مار کر اسے کچل دیا۔'' عباس نے سلطنت کی طرف دیکھا، وہاں اب بھی محبت کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا، لیکن وہیں کئی شکوے بھی ہچکولے کھا رہے تھے وہ جس کی خاطر اس نے اتنا بڑا قدم اٹھایا تھا، اپنے اتنے اہم رشتے گنوائے وہ آیا بھی تو کسی وقت جب اس کے پاس شکوہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

کرنے کے لئے بھی وقت نہیں تھا عباس سامنے تھا تو گزرا وقت اک فلم کی صورت اس کے سامنے سے گزرنے لگا، وہ دن وہ راتیں، کیوں چلا گیا وہ زمانہ، وہ بڑی لاچاری سے عباس کی طرف دیکھ رہی تھی، آنکھوں سے تو جیسے برساتی نالے چھوٹ پڑے تھے، عباس ابھی تک لیڈی پولیس کے ساتھ الجھا ہوا تھا۔

"مجھ پر یقین نہیں تو اسی سے پوچھ لو۔"

"ہاں ہم نے مارا ہے اس کمینے کو۔" سلطنت کی آواز پر وہ دیوانہ وار اس کی طرف لپکا۔

"کیوں، سلطنت کیوں۔" وہ دونوں کندھوں سے پکڑ کر اسے جھنجوڑتے ہوئے بولا، اسے یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ اس کی سلطنت یہ سب بھی کر سکتی ہے۔

"بولو، سلطنت، خدارا کچھ تو بولو۔" وہ روتا ہوا دوسری طرف منہ پھیر گیا۔

"آپ ہم سے پوچھ رہے ہیں کہ ہم نے ایسا کیوں کیا اور اگر ہم یہ کہیں کہ جو ہم نے کیا اس کی شروعات آپ سے ہی ہوئی ہے۔" وہ نا چاہتے ہوئے بھی عباس سے شکوہ کر بیٹھی۔

"نہ آپ ہمیں یوں بے آسراؤں کی طرح چھوڑ کر جاتے اور نہ ہم ان حالوں کو پہنچتے ہم نے اپنے کتنے عزیز رشتے کھوئے ہیں، آپ اس اذیت کو محسوس نہیں کر سکتے۔" عباس منہ پھیرے اس کی باتیں سن رہا تھا، نظریں ملانے کی ہمت نہیں جتا پا رہا تھا وہ، وہ جو بھی کہہ رہی تھی بالکل ٹھیک تھا نا وہ اسے چھوڑ کر جاتا اور نا وہ ہتھکڑیوں میں قید ہوتی۔

وہاں موجود ہجوم میں سے طرح طرح کی آوازیں عباس کے کانوں تک آرہی تھیں کوئی اسے بے قصور کہہ رہا تھا اور کوئی کچھ۔

"ہم نے صرف آپ سے محبت کی عباس، آپ کے علاوہ کوئی اور ہمیں چھوئے منظور نہیں۔" عباس نے اس کی طرف رخ کیا تو سلطنت کے چہرے پر سچی محبت کا رنگ دیکھ کر اس کا دل چاہا وہ آگے بڑھ کر اس معصوم سی لڑکی کو گلے سے لگا لے اور اس کے سر پر لگے سارے الزام اپنے سر لے لے۔

"اتنا کچھ ہو گیا عباس مگر ہم اب بھی آپ سے محبت کرتے ہیں بے انتہا اور خود کو آپ کا گنہ گار بھی سمجھتے ہیں۔" عباس اس کے اور قریب گیا اور اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

"نہیں عباس، مت چھوئیں مجھے۔" اس نے خود کو اس کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کی۔

"ہم آپ کی محبت کے قاتل ہیں، ہم لوگ دو چکے ہیں عباس، گھن آتی ہے ہمیں خود سے، ہم مار ڈالیں، ہم آپ کی محبت کی اور خود کی حفاظت نہیں کر سکے۔" مگر اندر سے اس کا دل چاہ رہا کہ وہ یونہی اس سینے کے ساتھ لپٹی رہے ان باہوں کو پانے کے لئے اس نے اتنے جتن کئے تھے اس نے تو انہی باہوں میں اپنے روز و شب گزارنے کے لئے یہ سب کیا تھا لیکن اسے کیا معلوم تھا کہ اس کی زندگی کے روز و شب جیل کی سلاخوں کے پیچھے گزریں گے۔

"اب بس کرو، یہ سب۔" لیڈی پولیس کے ساتھ موجود مرد اہلکار نے عباس کو بازو سے پکڑ کر سلطنت سے الگ کر دیا اور وہ ایسے خاموش کھڑا ہو گیا جیسے کوئی ہارا ہوا جواری اپنی ساری پونجی لٹانے کے بعد بے آسرا ہو جاتا ہے اور اس کے لئے بھی سلطنت ہی سب کچھ تھی، زندگی موت، پیار محبت، کیسے سانس لے گا وہ اس کے بغیر۔

سلطنت نے جاتے جاتے عباس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"آپ کی امانت آپ کو لٹانی ہے۔" عباس کی روتی آنکھوں میں تجسس سا ابھر آیا، اس نے محمد کو عباس کے ہاتھوں پر ڈال دیا، دل کا بوجھ کم ہو گیا تھا۔

"یہ آپ کا اور ہمارا بیٹا ہے محمد، ہمارے پیار کی نشانی۔" عباس کے ساتھ ساتھ سلطنت کی آنکھیں ایک دفعہ پھر ساون لٹانے لگیں۔

"میں نے کتنے خواب دیکھے تھے، اپنے بچے کے۔" وہ بے بسی سے دونوں باپ بیٹوں کو دیکھ رہی تھی۔

"ہم تینوں کا ملن قسمت میں لکھا ہی نہیں ہے، ہم لوگ دو ملتے ہیں تو تیسرا جدا ہو جاتا ہے، لیکن ہم پھر بھی خوش ہیں کہ اب یہ محفوظ ہاتھوں میں ہے اپنے باپ کے پاس، اسے لے کر پاکستان چلے جائیے گا عباس۔" وہ بات کرتے ہوئے ہچکیاں لے لے کر رونے لگی۔

اور اسے کبھی نہیں بتائیے گا کہ اس کی ماں کون تھی اور کہاں ہے، ہم بہت بد قسمت ہیں عباس، بہت یہاں آکر ایسے حالات دیکھ وہ تو بھول ہی گیا کہ اس کا بچہ بھی ہے اپنے ہاتھوں میں وہ ننھی سی جان کو اٹھائے بھیگی آنکھوں کے ساتھ چوم رہا تھا۔

"سلطنت۔" کتنی بے بسی تھی اس کی آواز میں۔

"میں تمہارے آزاد۔"

"نہیں عباس۔" اس نے عباس کے جملے کو درمیان سے کاٹ دیا۔

"نہیں، میں اس قابل نہیں ہوں کہ کبھی دوبارہ آپ کا سامنا کر سکوں، میں مجرم ہوں آپ کی۔"

"مجھے تم ہر حال میں قبول ہو، میں نے تمہاری روح سے محبت کی ہے، ہمارا رشتہ اتنا کمزور نہیں ہے جو کسی تیسرے کے چھونے سے ٹوٹ جائے گا، میں اپنی آخری سانس تک تمہارا انتظار کروں گا، یہ سرحدیں میرے نزدیک کوئی معنی نہیں رکھتیں، میں اور میرا بچہ تمہارا انتظار کریں گے۔" اس نے خود سے دور ہوتی سلطنت کو آواز دی۔

وہ آواز آگرہ نے نہیں پورے ہندوستان نے سنی تھی، وہ آخری سانس تک سلطنت کے لئے لڑے گا، وہ اسے واپس پاکستان لے کر جائے گا، چاہے اس کے لئے اسے کچھ بھی کرنا پڑے، محبتوں کا قرض چکانا تھا، پہلے سلطنت کی باری تھی اور اب اس کی باری۔

وہ اسے اکیلے کیسے چھوڑ سکتا ہے، ایک دفعہ پہلے اس سے غلطی ہوئی تھی مگر اب کی بار وہ ایسا نہیں ہونے دے گا۔

☆☆☆

ہماری مطبوعات

قواعد اردو — مولوی عبدالحق

انتخاب کلام میر

لاہور اکیڈمی ۲۰۵ - سرکلر روڈ — لاہور